مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ نقوش اسلام

Issue.No. 10	دسمبر ۲۰۰۸ء (December,2008) ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ	VOL.No.3

زیر سرپرستی

- مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
- ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
- عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری

مجلس مشاورت

- مولانا سید الرحمٰن اعظمی ندوی
- مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
- مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
- مولانا محمد احمد صالح جی
- مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی
- مولانا حافظ قاری محمد ایوب
- الحاج موسیٰ بھائی درسوت
- مولانا محمد اختر قاسمی

مجلس ادارت

- مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی
- مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری
- مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر
محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی
حافظ عبدالستار عزیزی

مدیر معاون
ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

NUQOOSH-E-ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058

ماہنامہ "نقوش اسلام" مظفرآباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ............۱۰/روپے
سالانہ............۱۰۰/روپے
خصوصی ۳۰۰۰/روپے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۲۰ ڈالر

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER MOHD.MASOOD AZIZI NADVI
PRINTED BY UNION PRINTING PRESS DEOBAND SAHARANPUR PUBLISHED AT
VILL& P.O.MUZAFFARABAD DISTT.SAHARANPUR (U.P) EDITOR:MOHD.MASOOD AZIZI NADVI

E:\C. Wali Faile\Tif es\A017.' not found.

Files\A025.TIF not found.

Wali Faile\Tif iles\A017.TI not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
حرص وحسد معاشرے کی خطرناک............	محمد مسعود عزیزی ندوی	
تذکیر		۵
قرآنی صفات کی حامل شخصیت......	مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی	
تاریخ ہند		۱۰
جنگ آزادی کی نمایاں تحریکیں	مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی	
تجزیہ		۱۳
بارک حسین اوبامہ کی آمد.............	مولانا خورشید احمد داؤد قاسمی، گجرات	
مسائل وفقہ		۱۶
امامت کے مسائل اور احکام	محمد مسعود عزیزی ندوی	
جائزہ		۱۹
اردو ایک مظلوم عالمی زبان	مولانا سید عنایت اللہ ندوی، لکھنؤ	
احوال برزخ		۲۷
حیات انسانی کا دوسرا مرحلہ......	مولانا محمد حذیفہ وستانوی، اکل کوا	
محاسبہ		۳۷
ذرا اپنی خبر لیجئے!	مولانا محمد مسیح اللہ ندوی گورکھپوری	
تکمیل ایمان		۳۹
حضورؐ سے محبت ایمان کامل کی علامت	متعلمہ روبینہ امان، مظفرآباد	
قیام لیل		۴۱
نماز تہجد کی فضیلت	مولانا محمد عمر مجاہد پوری	
شکوہ		۴۴
دیدۂ تر	حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ	
تبصرے		۴۵
نئی کتابوں پر تبصرہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	
مراسلات	(ادارہ)	۴۷
خبریں		۴۸
عالمی خبریں	حافظ عبدالستار عزیزی	

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین (فل سائز)............۳۰۰۰
// // اول اندرونی // // //............۲۵۰۰
// // آخر اندرونی // // //............۲۰۰۰
صفحہ اندرونی (فل سائز)................۱۰۰۰
آدھا صفحہ اندرونی............۶۰۰
¼ صفحہ //............۴۰۰

نوٹ: مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر

پرنٹر پبلیشر: محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسٹ پریس دیوبند میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

E.mail:masood_azizinadwi@yahoo.co.in -------- nuqooshe_islam@yahoo.co.in

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائننگ: عزیزی کمپیوٹر سنیٹر، مرکز احیاء الفکر اسلامی مظفرآباد سہارنپور (یوپی)

اداریہ

حرص وحسد معاشرے کی خطرناک روحانی بیماریاں

محمد مسعود عزیزی ندوی

حرص وحسد کی بیماری اگر چہ انسانی زندگی کی بہت پرانی بیماری ہے اور ہر زمانے میں انسان ان دونوں بیماریوں میں ضرور پھنستا رہا ہے، کبھی وہ فاعل وعامل ہونے کے اعتبار سے اور کبھی مفعول ومعمول ہونے کے اعتبار سے اور چونکہ اس بیماری کا برا ہونا روز آفرینش سے ہی معلوم ہے، اس لیے ہر زمانے میں اللہ کے برگزیدہ اور منتخب بندے اس بیماری کے نتائج سے اور اس کی گندگی اور خرابی سے معاشرے کو پاک وصاف کرنے کے جتن کرتے رہے ہیں، اور اس کی آلائشوں سے لوگوں کو متنبہ کر کے اس سے بچنے کی ہدایات دیتے رہے ہیں، مگر چونکہ اس بیماری کی پشت پناہی ابلیس لعین کو حاصل ہے، اس لیے وہ اپنی ٹیم اور اپنی اختیاری صلاحیت سے اس ناسور کو انسانی زندگی کے اندر کسی نہ کسی طرح سے ضرور داخل کر دیتا ہے، اور اچھے خاصے دیندار، پڑھے لکھے، مولوی ملا، علماء قائدین، لیڈران، زعماء اور خادمان ملک وقوم اس بیماری کا شکار ہو جاتے ہیں۔

تاریخی اعتبار سے اس کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام اپنے امتیوں کو لے کر کشتی میں بیٹھے تو انہیں کشتی میں ایک بوڑھا شخص نظر آیا، اسے کوئی پہچانتا بھی نہیں تھا، حضرت نوح علیہ السلام نے ہر چیز کا جوڑا جوڑا کشتی میں بٹھایا تھا مگر وہ اکیلا تھا، لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھنے لگے کہ یہ بوڑھا کون ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام نے اس سے پوچھا بتاؤ تم کون ہو؟ وہ کہنے لگا جی میں شیطان ہوں، آپ علیہ السلام نے سن کر فرمایا کہ تو اتنا چالاک، بدمعاش ہے کہ کشتی میں آ گیا، کہنے لگا جی مجھ سے غلطی ہوگئی ہے اب آپ مجھے معاف فرما دیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا تمہیں ہم ایسے ہی نہیں چھوڑیں گے، تو ہمیں اپنا وہ گر بتا تا جا جس سے تو لوگوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچاتا ہے، کہنے لگا جی میں سچ سچ بتاؤں گا مگر آپ وعدہ کریں کہ آپ مجھے چھوڑ دیں گے، آپ علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک ہے ہم تمہیں چھوڑ دیں گے، وہ کہنے لگا جی میں دو باتوں سے انسان کو زیادہ نقصان پہنچاتا ہوں: ایک حسد سے، دوسرے حرص سے، پھر کہنے لگا کہ حسد ایک ایسی چیز ہے کہ میں خود اس کی وجہ سے برباد ہوا، اور حرص وہ چیز ہے جس کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا گیا، اس لیے انہی دو چیزوں سے انسانوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچاتا ہوں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ دونوں ایسی خطرناک بیماریاں ہیں جو تمام بیماریوں کی بنیاد بنتی ہیں، آج کے سب لڑائی جھگڑے یا تو حسد کی وجہ سے ہیں، یا حرص کی وجہ سے، حاسد انسان دوسرے کی ترقی، دوسرے کی کامیابی، دوسرے کی اچھائی سے چاہے دینی

اعتبار سے ہو یا دنیوی اعتبار سے اندر ہی اندر حسد کی آگ میں جلتا رہتا ہے، وہ کسی کو اچھی حالت میں نہیں دیکھ سکتا، اس کو اپنی فکر نہیں کہ وہ خود ترقی کرے، یا کامیابی حاصل کرے، یا وہ دنیا میں اپنا نیک نام کرے، بلکہ اس کو یہ فکر لاحق ہے کہ فلاں نے کیوں ترقی کر لی، وہ کیوں بڑا آدمی بن گیا، وہ کیوں بڑی پوسٹ پر، بڑے عہدے پر فائز ہو گیا، وہ کیوں بڑا تاجر، یا بڑا افسر، یا بڑا عالم، یا فقیہ یا محدث بن گیا، یا اس کا مدرسہ، اس کی خانقاہ، اس کا فلاں کام کیوں چل پڑا، اس کا کارخانہ، اس کی فیکٹری، اس کا کاروبار اس کی تجارت کیوں بڑھ گئی، اس کی کھیتی کیوں لہلہانے لگی؟ وہ بیچارہ اسی کڑھن، جلن اور فکر میں جلتا رہتا ہے اور سوکھتا رہتا ہے اور اپنی شب و روز کی ٹینشن اور پریشانی میں اضافہ کر کے اپنی زندگی کو الجھن میں ڈالتا رہتا ہے اور اپنی نیکیوں کے ذخیرے کو جلا جلا کر خاکستر کرتا رہتا ہے، اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیماری کی شناعت اس طرح بیان فرمائی ہے کہ ”حسد سے بچو! کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ (خشک) لکڑی کو“ اسی لیے اس سے بچنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ ”آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ کرو، اور (اے) اللہ کے بندو (آپس میں) بھائی بھائی بن کر رہو“۔

••••——————————————••••

دوسری بیماری حرص ہے جو انسان کو ننانوے ۹۹ کو سو بنانے کی فکر میں رکھتی ہے، اسی لیے حریص کا پیٹ کبھی بھی نہیں بھرتا، حب جاہ اور حب مال دونوں حرص کی بیٹیاں ہیں، جو صوفیاء کے یہاں بھی بالکل اخیر میں جاتی ہیں، بڑے بڑے مجاہدے اور ریاضتوں کے بعد سالک کی زندگی سے آخر میں جو مرض جاتا ہے وہ حب جاہ والا ہی ہوتا ہے، تب جا کر اس کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے، اور اس کو کامیابی کا طمغہ ملتا ہے، سخی اعظم محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے لالچی اور حریص ہونے کے عمل کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ”حریص آدمی کے منھ کو قبر کی مٹی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بھر سکتی“، یعنی حریص و طامع انسان مرتے دم تک دنیاوی چیزوں کی افزائش کی طمع و لالچ میں سرگرداں رہتا ہے، آخر کار موت ہی آ کر اس کی طمع و حرص کا منھ بند کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب انسان حریص ہوگا، تو اس کو جائز و ناجائز کی، حلال و حرام کی بھی فکر نہ ہوگی، بلکہ وہ تو دنیا کی لذتوں کے حصول کے لیے ہر گناہ اور اللہ کی نافرمانی کے سب کام کرے گا۔

••••——————————————••••

غرضیکہ حرص و حسد کی بیماری سے انسان کو کیا نقصان ہوئے، تاریخ انسانی اس سے بھری پڑی ہے اور اپنے گرد و پیش کے حالات میں آج بھی ان بیماریوں کے بڑے نتائج و نقصانات ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں ملاحظہ کر سکتے ہیں، اور یہ بیماریاں آج کل انسانی معاشرے میں جذام کی طرح پھیل رہی ہیں، جن کا مشاہدہ ہمیں آئے دن ہو رہا ہے، اگر ہم نے اپنے معاشرے میں سنجیدگی سے اس بیماری کو ختم کرنے کی کوشش نہ کی تو اس کی بدبو سے انسانیت کی روح خطرے میں پڑ سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا تازیانہ کسی بھی وقت لگ سکتا ہے جو ہر وقت گھات میں ہے، اللہ ہمیں حسد و حرص اور تمام روحانی و جسمانی بیماریوں سے محفوظ رکھے، اور ہمارے معاشرے کو ایک صالح معاشرہ میں بدل دے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

قرآنی صفات

قرآنی صفات کی حامل شخصیت
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی استاذ مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی

یحبهم ویحبونه کی عملی تفسیر:

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالی نے جن صفات ومحاسن سے نوازا تھا ان سے متصف لوگ نادر تو نہیں لیکن کمیاب ضرور ہیں، انہوں نے اپنی زندگی کو اسوۂ نبوی میں ڈھال لیا تھا، وہ ان عادات واطوار سے عہد طفولیت سے ہی متخلق تھے جو انسان کی عظمت وبلندی کا اشارہ دیتی ہیں، انہوں نے ان باتوں کو اختیار کیا تھا جو اللہ کو خوش کرنے والی، اس کا قرب عطا کرنے والی، اس کی محبت وولایت سے نوازنے والی ہیں، یہ بات اس چیز کی غمازی کرتی ہے کہ انہیں اللہ سے تعلق ومحبت بچپن سے تھا، ان کی والدہ ماجدہ نے جنہیں اللہ کی معرفت کا حصہ وافر ملا ہوا تھا اور جلا بخشا جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، ان کے والد ماجد کا اخلاص وتعلق مع اللہ بھی بڑا محرک اور باعث بنا، پھر بڑے بھائی صاحب نے جو والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحئی صاحب کے انتقال کے بعد قائم مقام والد تھے، تربیت وتعلیم اور ذہن سازی نے آپ کی شخصیت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا، پھر آگے بڑھ کر مشائخ وقت، علمائے ربانیین اصحاب قلوب کی صحبت ومجالست اور رہنمائی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ان سب کے آخر تک ممنون واحسان مند رہے اور کبھی کسی کمال خیر کو اپنی ذات کا کرشمہ نہ سمجھا اور بس فضل ایزدی ہی اور اچھے اسباب ووسائل کا ایک بہتر نتیجہ جانا، ایک بڑی خوبی ان کی شروع سے آخر تک یہ رہی کہ کوئی بھی ایسی بات جس میں خیر کا پہلو ہوتا اس میں دوسروں کو جن کا اس میں شرکت کا ذرا احتمال بھی ہوتا شریک فرما لیا کرتے تھے، اور اگر ان کی نگاہ میں اس میں شر کا پہلو جھلکتا تو چاہے دوسرے کی شرکت سے ایسا ہوا ہوتا وہ اپنا قصور گردانتے اور دوسرے کو بالکل محفوظ رکھتے، تنہائیوں میں بڑے درد سے یہ پڑھا کرتے "ربی انی أنزلت من خیر فقیر" اعمال پر مداومت ان کا مزاج بن گیا تھا، بچپن سے سورۂ کہف جمعہ کو پڑھنا شروع سے آخر تک اس معمول کو پورا کیا، سورۂ یٰسین کا التزام کیا آخر دم تک اسے اختیار کیا تا آنکہ فرشتہ اجل کی دعوت پر اسی حال میں لبیک کہا، بچپن سے ہی اس کا اہتمام کیا کہ اذان ہوتے ہی سب کاموں کو چھوڑ کر جس میں بھی مشغول ہوں نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے آخر تک پورا کیا اور موت بھی اسی حال میں آئی کہ نماز جمعہ کے لیے تیار بیٹھے تھے، وضو اور طہارت کا خصوصیت سے خیال کیا، یہاں تک فالج کے حملے سے معذور ہو جانے پر اس خیال میں فرق نہیں آنے دیا کہ عزیمت پر رخصت کو اختیار کر لیتے، آخر ہوا یہ کہ انتقال بھی وضو بلکہ غسل کی حالت میں ہوا، ۱۳؍ برس کی عمر سن بلوغ کی عمر سے ان کے ہم عمر حضرات کہتے ہیں کہ اسی عمر سے ان کی گفتگو غیبت، جھوٹ اور فحش کی آمیزش سے خالی ہوتی تھی، زبان کی فکر کے ساتھ نگاہ کی فکر بھی انہیں آغاز جوانی سے رہی، اور اسی عمر سے رشتہ داری جیسی عظیم شئ کی جس کے بارے میں ارشاد ہے "الرحم معلقة بالعرش" کا پاس بھی دامن گیر رہا، وعدہ کسی سے کرتے پورا کرتے، ورنہ وعدہ ہی نہ کرتے، جھگڑا کرنا جانتے ہی نہ تھے، اگر کسی دوسرے کی طرف سے پہل ہو جانے کی صورت میں نوبت آ گئی ہوتی تو سلام کی پہل ادھر سے ہوتی، اگر کسی پر زیادتی کا انہیں شبہ بھی ہو جاتا تو دست بستہ معافی

تلافی کر لیتے تھے، کچھ ایسی تربیت ہوئی تھی کہ کبھی اس میں انہوں نے عار نہیں خیال کیا، ایک کام اگر کسی سے لے رہے ہوتے تو اس کی موجودگی میں وہ کام دوسرے سے نہ لیتے کہ کہیں اس کا دل نہ دکھ جائے اور دوسرے کے لیے دوسرا کام نکال لیتے اگر گنجائش ہوتی، مہمان کا خاص خیال رکھتے، اس کے آنے سے خوش ہوتے، دسترخوان وسیع تھا، مگر سادہ، قناعت پسند تھے، زہد اختیاری تھا، ترفع اور تعلّٰی سے بہت دور تھے، رہائش کی زیب وآرائش سے مزاجاً انہیں مناسبت نہیں تھی، مساوات اور مواسات دونوں ان کے پسندیدہ عمل تھے، یتیموں کے والی، بیواؤں کے متکفل، غریبوں کے ہمدرد، بیکسوں کے مددگار تھے، حاجتمندوں کی حاجت روائی کے لیے ان کا در ہر وقت کھلا رہتا تھا، چھوٹوں پر شفیق ومہربان، برابروں میں نہ چھوٹے بن جاتے اور نہ بڑائی ظاہر کرتے، بڑوں کے سامنے مؤدب ہوتے، دوسروں کے لیے بھی یہی پسند کرتے، اس کے خلاف ہوتے دیکھتے تو ٹوکتے، تادیب کو ایک بڑا انسانی حق سمجھتے تھے، نوافل میں تہجد، چاشت اور اوابین کا انہیں خاص طور پر بڑا اہتمام رہا، ان کی زندگی میانہ روی کی تھی، لیکن کھانے کی مقدار کم، کام کی مقدار زیادہ تھی، بلاضرورت گفتگو پسند نہیں تھی، اور نہ ہی لایعنی کاموں کو اختیار کرتے تھے، دن رات کے اوقات کو انضباط اور ترتیب سے گزارتے تھے، زندگی کے تمام اعمال واشغال رضائے الٰہی کی طلب، نیت کے استحضار اور موعود اجر وثواب کے ساتھ انجام دیتے تھے، ان کا حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بیان ہے کہ انہوں نے ۱۶؍سال کی عمر سے کوئی کام نیت کی درستگی کے بغیر نہیں کیا یہ خود آپ پر صادق آتا تھا۔

''بیعت'' توحید ورسالت واتباع سنت اور ترک بدعات ومنکرات پر لیتے تھے، عقیدہ کی صحت پر بہت زور دیتے، نماز کی تاکید کرتے، حقوق کی ادائیگی کی خود فکر کرتے اور دوسروں کو ادھر متوجہ کرتے اور اوراد و وظائف کے پابند رہے، ذکر کا برابر اہتمام رہا، مطالعہ وتصنیف خاص مشغلہ تھا، ارشاد وتوجیہ وتبلیغ کو اپنائے رہے، دل کی حرکتوں اور جسم کی سانسوں کو اللہ کی یاد کے تابع کر رکھا تھا ''ھو معکم اینما کنتم'' کا انہیں پورا استحضار تھا، توحید ومعرفت کی بلندیوں کو چھوکر وہ اس کے ثمرات ونتائج سے محظوظ ہو رہے تھے، اور ان کے روئیں روئیں اپنے رب کے انعامات پر تحدیث نعمت کے حمد وثنا میں جھوم رہے تھے، انہوں نے اپنی آخری تصنیف انتقال سے چند دنوں پہلے ''کاروان زندگی'' کے ساتویں حصہ کے طور پر مکمل کی تو اس دعا پر خاتمہ کیا کہ ''رب اوزعني أن اشكر نعمتك التي انعمت علي والدي وأن اعمل صالحا ترضاه وادخلني برحمتك في عبادك الصالحين'' محبوب عند اللہ ہونے کے شواہد ودلائل ان پر خود آشکارہ ہونے لگ گئے تھے، مگر اس کے باوجود انہیں اپنے نقص کا پورا اعتراف، اپنے قصور کا پورا احساس، اپنی جواب دہی کا پورا خیال تھا، جب اللہ تعالی اپنے کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام سے کہہ دیتے ہیں وہ اس کا آسمان وزمین میں اعلان عام کر دیں، تو آسمان زمین کی مخلوق اس سے محبت کرنے لگتی ہیں، ان کی وفات کیا ہوتی کہ پورے عالم میں کہرام مچ گیا، جنازہ کی نمازوں کی خبریں چہار جانب سے آتی ہیں اور حرمین شریفین میں رمضان کی ۲۷؍ویں شب کو اہتمام خصوصی کے ساتھ نام کا اعلان کر کے لاکھوں کے مجمعوں کو دونوں حرموں کے اماموں نے پڑھائی، مضامین کا سلسلہ، کانفرنسوں، جلسوں کا طومار کتابوں کی تصنیف سے انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے، اور اللہ تعالی اس کے خیر ونفع کو الی یوم القیامۃ دائم وقائم رکھے، اور امت کو ان برکات سے متمتع فرمائے۔ آمین

اذلة على المومنين اعزة على الكافرين کی سچی تصویر:

اللہ تعالی نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو جن اوصاف ومحاسن اور فضائل ومناقب سے نوازا تھا ان میں ایک وہ نبوی وصف بھی تھا جو اپنی اس وسعت وہمہ گیری اور اس درجہ حرارت کے ساتھ خال خال پایا جاتا ہے، جس کا ذکر قرآن مجید میں مستقل طور پر سورہ توبہ کے آخر میں اس طرح آیا ہے کہ ''عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم

بالمومنین رؤف الرحیم " جو چیز تمہیں مضرت پہنچاتی ہے انہیں بہت گراں گزرتی ہے، تمہاری بھلائی کے حریص ہیں ایمان والوں کے حق میں تو بڑے ہی شفیق ہیں، مہربان ہیں، نبی کی اتباع اوران کے اسوہ حسنہ کواپنانے کی مومنین کودعوت دی گئی ہے، یہ ایسا اسوہ اوروصف ہے جوصحبت سے کچھ وقت ساتھ گزارنے سے باصلاحیت افراد میں منتقل ہوجاتا ہے، اور اس میں صلاحیت واستعداد کے لحاظ سے ایک دوسرے پرفائق وممتاز ہوجاتا ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کوبچپن سے ہی اپنی والدہ ماجدہ سے جواپنے نام اوروصف دونوں میں خیرالنساء تھیں ان سے استفادہ کا موقع ملااور پھرمشائخ ثلاثہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، حضرت مولانا محمدالیاس صاحب کاندھلوی اورحضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنی کی خدمت وصحبت میں رہ کراس سے بہرہ ور ہونے کے لیے زندگی کے شب وروز ملے کہ جن کے متعلق حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے خوداس راقم السطور نے بارہا سنا کہ ان کی شفقتیں ماؤں کی شفقتیں تھیں، ان حضرات کوایک ایک مسلمان کی جوفکر وتڑپ تھی ہم جیسے نادیدہ کہاں سے لگاسکتے ہیں، البتہ اس کا اندازہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کودیکھ کر اوران کے شب وروز کا مشاہدہ کرکے اوران کی زبان سے سن کرجس حدتک بھی ہوا، ہوا، جب انبیاء کے متبعین کا یہ حال ہے تو پھرانبیاء کے سرگروہ متبعین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اورخیرالقرون کے مومنین کاملین کا کیاحال ہوگا چہ جائیکہ حضرات انبیاء کرام اورسیدالانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جن کے بارے میں اللہ تعالی نے خود گواہی دی ہے، میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اس عظیم اسوہ نبوی پرعمل کو سمجھنے اورجاننے کے لیے ان کی وہ تحریر نذر قارئین کرتاہوں جو انہوں نے اپنے شیخ ومرشد ومربی حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری کے متعلق ان کی سوانح میں مزین کی ہے، جس کی وہ خوداس دورمیں تصویربن گئے تھے۔

''حضرت کی غیرمعمولی محبت وشفقت جس کوبعض خدام (جن کو اس محبت کا تجربہ ہوا تھا) شفقت مادری سے تعبیر کرتے تھےاوراس کے لیےاس سے بہتر الفاظ اورتشبیہ نہیں ملتی، اس شفقت کودیکھ کرزمانہ سابق کے شیوخ کاملین (حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءوغیرہ) کی شفقت کے واقعات یادآتے تھےاوراس کی تصدیق ہوتی تھی کہ ان کے خدام اگرجگہ نہ ہونے کی وجہ سے دھوپ میں کھڑے ہوتے تھے تو فرماتے تھے کہ سایہ میں آجاؤ، دھوپ میں تم کھڑے ہواورجلامیں جارہاہوں، ان کے دسترخوان پرلوگ کھانا کھاتے تو فرماتے کہ تم کھاتے ہواور مجھے محسوس ہوتاہے کہ کھانا میرے حلق میں جارہاہے، اوراندازہ ہوتا تھا کہ جب ان حضرات کی شفقت کا یہ حال ہے تو انبیاء علیہم السلام اورسیدالانبیاء علیہ السلام "عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف الرحیم" کی رأفت وشفقت کا کیاعالم ہوگا؟''۔

آگےاس سلسلہ کے واقعات کا ذکرکرتے ہوئے مولانا رقم طراز ہیں کہ'' اگراس طرح کے ذاتی واقعات جن سے حضرت کی پدری ومادری شفقت اورعنایت خصوصی کا اظہار ہوتاہےاورمختلف خدام واہل تعلق ان کوبیان کرتے ہیں نقل کئے جائیں توایک ضخیم دفتر تیار ہوجائے واقعہ یہ ہے کہ اخلاق وشفقت نبوی کی یہ وراثت مشائخ کبار کوملتی ہے کہ ہرشخص یہ سمجھتااوریقین کرتاہے کہ "انہ أکرم علیہ من صاحبہ" میں دوسرے سے زیادہ معزز ومحبوب ہوں، یہ شفقت اتنی خوردنواز اور دقیقہ رس تھی کہ جن لوگوں سے خصوصی شفقت تھی ان کی مرغوبات کا بھی اہتمام اوراس کی تاکید بلیغ فرمائی جاتی......اوران سعید روحوں سے جو اپنی طلب صادق اورذاتی جذبہ سے دین حق کوقبول کرتے بڑاخصوصی تعلق رکھتے تھےاوران پراولاد کی سی شفقت فرماتے تھے، ان قابل قدرحضرات کی اتنی قدر اور ان سے اتنی محبت کرتے کسی کونہیں دیکھا۔(سوانح مولانا عبدالقادرصاحبؒ صفحہ۲۵۹/۲۶۶)

ایمان والوں میں دوستوں سے اچھا سلوک کرنے والوں یا سابقہ نہ پڑنے کی صورت میں ملاقات کے لیے آنے والوں یا بس اپنا مطلب رکھنے والوں اورخلاف شریعت کام نہ کرنے والوں کے فکر

وخیال سے بڑھ کر بھی ایک خیال یہ ہوتا ہے کہ اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ ہمارا ایمانی بھائی اللہ کے غضب کا کہیں شکار نہ ہو جائے، اللہ والوں کی یہ خاص صفت ہے جو اس پر بھی ابھارتی ہے کہ ان سے ان کا مخالف ومعاند اور انہیں ایذاء پہنچانے والا بھی کوئی گزند نہیں پا سکے، بلکہ راحت ہی پائے گا بھلے وہ اسے محسوس نہ کر سکے، سلطان الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا ایک واقعہ اس سلسلہ کا صاحب سیر العارفین کا نقل کردہ ہے ''کہ ایک شخص کو بے وجہ حضرت سے دشمنی تھی، برا بھلا کہتا رہتا تھا اور آپ کو تکلیف وایذاء پہچانے کی فکر میں رہتا تھا، جب اس کا انتقال ہوا تو حضرت شیخ نے اس کے جنازے میں شرکت کی اور بعد از تدفین دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا کی کہ اے خدا! اس شخص نے جو کچھ کہا ہو یا برا سوچا ہو میں نے اس کو معاف کر دیا تو میری وجہ سے اس کو سزا نہ دینا''، راقم سطور کو بالکل اس ترتیب سے تو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا کوئی واقعہ یاد نہیں مگر آپ کا حال ایسا ہی ہو چلا تھا، ان کی معافی اور معافی کے بعد نوازشوں کا بھی سلسلہ شروع ہوتا، اور اس کے سلسلہ میں جو باعث رنج وتکلیف بنتا تو اپنے دل میں بھی ذرا کدورت باقی نہ رکھتے، اس کے لیے دعا کرتے اور اس کی نجات اور اچھے انجام کی فکر کرتے، پردہ پوشی کرتے، غمخواری کرتے، شفقت وتعلق سے پیش آتے، مخلصانہ وخیر خواہانہ معاملہ کرتے، ان کا یہ وصف اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ان کا مخالف ومعاند ان سے مشورہ لینے، سفارش کرانے اور حاجت روائی کے لیے آتا اور مطمئن ومسرور واپس جاتا، بھلے وہ اپنی عادت سے مجبور ہو کر وہی پرانی روش اختیار کرتا، اس پر بھی وہ آپ کی جانب سے معذور اور قابل ترس گردانا جاتا، دلداری کا اس قدر لحاظ تھا کہ اگر شبہ بھی ہو جاتا کہ فلاں کا دل ان کی ذات سے دکھا ہے تو اس کی تلافی کی کوشش کرتے، اگر یہ محسوس کرتے کہ ان کے کسی طرز عمل سے دوسرے کی حقارت ہو رہی ہے تو اس کی عزت افزائی کر کے اسے دھو دیتے؛ لیکن قلب ودماغ پر یہ بات بڑی گراں بار ہوتی تھی اور اخوت ایمانی واسلامی اپنا جوش مارتی تھی جب وہ یہ دیکھتے کہ توحید میں لچک آ رہی ہے، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ کمزور پڑ رہا ہے، خوف خدا اور آخرت کا تصور پیچھے جا رہا ہے اور بدعات وخرافات اور گناہوں میں مبتلا ہوا جا رہا ہے، وہ انتہائی شفیق ومہربان ہونے کے ساتھ عقیدہ اور پھر نماز کے معاملہ میں بڑے سخت ہوتے اور اسی کو محبت ورافت جانتے، اسی محبت ورأفت نے مسلمانوں میں جہالت وتعلیمی پسماندگی کو دور کرنے، دینی تعلیمی کونسل کے پلیٹ فارم سے دل نکال دینے والی تقریریں کرائیں، دماغ کو جھنجھوڑنے اور جوش وحرکت پیدا کرنے والی تحریریں لکھائیں، اسی محبت وتعلق نے دینی، دعوتی وتبلیغی جدوجہد کرائی اور وہ بھی ایسی کہ ایک سفر سے لوٹنے نہیں پاتے تھے کہ دوسرے کا تقاضہ سامنے آتا اور آپ رخت سفر باندھ لیتے اور اسی فکر وتڑپ نے فسادات اور لوٹ مار اور مظلومیت کے شکار وستم رسیدہ مسلمانوں کی مدد کے لیے خطرات کو مول لینے والے دورے اور ملاقاتیں کرائیں اور پیام انسانیت کے عنوان سے اہم پروگراموں اور ڈائیلاگ کا انعقاد کرایا، ملی مسائل کے حل کے لیے مجلس مشاورت کا قیام کرایا اور وفد کی شکل میں ملک کے چپہ چپہ میں پھر کر ملت کے اندر عزم وحوصلہ پیدا کیا، اور اسی طرح بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کی دینی ومعاشرتی اصلاح اور ان کی تعلیمی اٹھان کے لیے یورپ، امریکہ وغیرہ کے متعدد دورے کئے اور مرکز اسلام مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلام اور مدینہ طیبہ میں جامعہ اسلامیہ کی تاسیس کے عمل سے لیکر اس کے سالانہ پروگراموں ومجلسوں میں شرکت فرماتے جس میں کلیدی خطاب دنیا بھر کے مسلم نمائندوں کی موجودگی میں آپ ہی کا ہوتا، ان سب کے لیے آپ کی خودنوشت سوانح حیات ''کاروان زندگی'' آپ کے سفرنامے، دریائے کابل سے دریائے یرموک تک، دو ہفتہ مغرب اقصی، مراکش میں، شرق اوسط کی ڈائری، دو ہفتہ ترکی میں، نئی دنیا، امریکہ میں صاف صاف باتیں، دو مہینے امریکہ میں، مغرب سے صاف صاف باتیں، اور مکاتیب یورپ شاہد عدل ہیں۔

مولانا کی یہ ساری کوششیں ان کی نارمل صحت اور نارمل حالات کی

نہیں تھیں، نقرض کا تکلیف دہ مرض، آنکھ کے پے در پے آپریشن، شدید تکلیف اوراس بات کا خطرہ کہ کہیں بینائی سے محروم ہی نہ ہوجانا پڑے، آخرایک آنکھ کی بینائی چلی گئی۔

دوسری طرف ملک کے پرخطر حالات، فسادات، ہنگامے اور دوسرے مسائل مگر کوئی ایک مسئلہ انہیں دوسرے مسئلہ سے غافل اور بے پرواہ ہونے نہیں دیتا تھا، ان سب قربانیوں اور کوششوں کے ساتھ جو اہل ایمان سے اسی محبت وتعلق کے نتیجہ میں تھیں جو اللہ کے خاص بندوں کا خاصہ رہا ہے، خود پسندی، حصول جاہ ومال، عادات واطوار میں فرق سلوک ومعاملہ میں برتری وامتیازی کو اپنے یہاں بھٹکنے بھی نہیں دیتے تھے، بلکہ عاجزی، فروتنی، انکساری، احترام واکرام، عزت وخیال اورحسن اخلاق کے ہی پیکر مجسم بنے رہتے، خاص خاص موقعوں پر اوربھی خصوصیت برتتے، چنانچہ اگر وہ بیمار ہے تو اس کی عیادت، انتقال پر جنازہ میں شرکت اورافراد خاندان سے تعزیت، غریب ہے تو اس کا خیال اورحاجت روائی کی فکر "النصح لکل مسلم "اور"المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ " کا پوراپورا استحضار تھااوراگر مسلمان اپنی خصوصیات کے ساتھ مسلمان ہوتا تو اس کے لیے آپ فرش راہ بن جاتے، ایک حافظ قرآن کا لحاظ خواہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہوتا، ایک عالم دین کا خیال چاہے وہ نوعمر ہی کیوں نہ ہو، ایک داعی کی فکر بھلے وہ گم نام ہی کیوں نہ ہو، معلم ہو یا مصنف، مفکر ہو یا اسلامی ادیب، شاعر اسلام ہو یا صوفی باصفا، سماجی وملی کارکنان ہو اور کوئی خادم دین وملت فرق مراتب کے ساتھ ہر ایک اپنا حصہ پا کر جاتا تھا۔

Files\A004.TIF not found.

افادات

مصلح الامت حضرت اقدس مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

معاشرہ کی اصلاح

اخلاق وسیرت کی اصلاح کے ذریعہ ہوتی ہے:

مسلم قوم دوسری قوموں کی طرح نہیں ہے کہ کھاپی کر اپنی زندگی گزار دے، اس کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ وہ اعلی قدروں پر چلتی رہے اور دوسروں کی زندگی سنوارنے اورانہیں بھی راہ راست پر لانے کی ذمہ داری سنبھالتی رہے، امت مسلمہ اپنے دل میں خوف پیدا کرکے اپنے خیالات کو بدلے اورمسلمانوں کے اندر صحیح ملی شعور واحساس پیدا کرنے کے لیے جو ضروری ہو اس کی کوشش کرے، اصلاح معاشرہ وقت اور حالات کا سب سے بڑا تقاضہ ہے تاہم سیرت واخلاق کی اصلاح کے بغیر یہ کام ممکن نہیں، کسی زمانہ میں اخلاق وکردار مسلمانوں کا طرۂ امتیاز تھا؛ لیکن آج ہم اخلاقی سطح سے گرتے جارہے ہیں، جو ہم سب کے لیے فکر وتشویش کی بات ہے، صرف اسلامی نام رکھ لینے سے مسلمان نہیں ہوتا بلکہ مسلمان کا ہر میدان میں اخلاق وکردار کا عملی مظاہرہ ضروری ہے، ہماری زندگی میں اچھائیاں ہوں تو یقیناً اس سے دوسروں پر بہتر اثر پڑے گا اوراسلام کی بہترین عکاسی ہوگی، اس کے برخلاف اگر ہماری برائیاں عام ہونے لگیں تو پھر اس سے اسلام کی بدنامی ہوگی، آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں جب کہ اعمال ہمارے غیروں جیسے ہیں جس سے اسلام سے زیادہ خود ہمارا نقصان ہورہا ہے، مسلمان امت کی اصلاح کے لیے اپنے دل میں سچی تڑپ اور ہمدردی پیدا کرے، اسلام کی بنیادی اجتماعیت ہے اور جو کام اجتماعیت سے ہوا کرتا ہے اس میں اللہ پاک کی مدد شامل حال ہوا کرتی ہے۔(اصلاح معاشرہ کمیٹی ۲۱؍نومبر)

تاریخ ہند

جنگ آزادی کی نمایاں تحریکیں

مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی

هوم رول تحريک:

کانگریس کی طرف سے مجاہد آزادی پنڈت جواہر لال نہرو کی سربراہی میں ۱۹۱۶ء میں انگریزوں سے داخلی خودمختاری کا مطالبہ کرنے کے لیے ہوم رول لیگ کے نام سے ایک تحریک شروع کی گئی جس کے تحت پورے ملک میں احتجاجات ہوئے اسی کو ہوم رول (سوراجیہ) یا داخلی خودمختاری کی تحریک کہا جاتا ہے۔

ستيه گريه:

ستیہ گرہ یعنی ناانصافی کے خلاف لڑنے کے لیے عدم تشدد کا پرامن ہتھیار اور راستہ، یہ تحریک مہاتما گاندھی نے شروع کی تھی جن کا پورا نام موہن داس کرم چند گاندھی تھا، انہوں نے قانون کی تعلیم برطانیہ میں حاصل کی جہاں سے وہ جنوبی افریقہ گئے تاکہ وہاں سے نسلی امتیاز اور ظلم کے خلاف آواز اٹھاسکیں، پھر وہاں سے وہ ۱۹۱۵ء میں ہندوستان آئے اور ملک کی جنگ آزادی میں شریک ہوئے اور قومی لیڈر بن گئے۔

تحريک عدم تعاون:

گاندھی جی نے ۱۹۲۰ء میں انگریزوں سے کسی بھی معاملہ میں تعاون نہ کرنے کی تحریک چلائی جس کے تحت عدالتوں اور دفتروں کا بائیکاٹ کیا گیا، سرکاری خطابات واپس کردئے گئے، اس پر رابندر ناتھ ٹیگور اور گاندھی جی نے بھی خود عمل کیا، ہزاروں لوگوں نے سرکاری ملازمتیں ترک کردیں، بعد میں ایک تشدد کے بعد گاندھی جی نے اس تحریک کو واپس لے لیا۔

تحريک ترک موالات:

اس تحریک کے مطابق ہندوستانیوں کو آواز دی گئی کہ ملک میں بنی کسی بھی چیز کے علاوہ دوسری چیزوں کا استعمال ہرگز نہ کریں اور غیر ملکی چیزوں کا بائیکاٹ کریں، یہ تحریک بڑی کامیاب رہی، عوام نے انگریزوں کی بنائی ہوئی چیزوں کا بائیکاٹ کیا اور غیر ملکی نمک وشکر وغیرہ کا استعمال ترک کردیا۔

انڈين نيشنل كانگريس:

ملک کی آزادی کے لیے اس تنظیم کا قیام ۱۸۸۵ء میں عمل میں آیا، اس کے پہلے صدر ڈبلیو، سی، بنرجی تھے، اس تنظیم نے اپنے مطالبات اور احتجاجات وغیرہ کے ذریعہ برطانوی حکومت پر اس کی آزادی تک اپنا دباؤ برقرار رکھا، بالآخر آزادی کے بعد اس تنظیم کے سیاسی رہنماؤں کو ملک کی قیادت کا موقع بھی ملا، ملک کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد اسی سیاسی تنظیم سے تعلق رکھتے تھے۔

سول نافرماني تحريک:

۱۹۳۰ء میں گاندھی جی نے اس تحریک کا آغاز کیا اور خود گجرات کے شہر احمد آباد سے ڈانڈی تک پیدل چل کر اس کی ابتداء کی، اس تحریک کے مطابق ملک کے لوگوں کو انگریز حکمرانوں کی حکم عدولی کرنی تھی، گاندھی نے نمک پر لگائے گئے ٹیکس کی مخالفت کرتے ہوئے خود نمک تیار کرواکر تقسیم کیا جس کی وجہ سے اس تحریک کا نام نمک ستیہ گرہ پڑا، یہ تحریک بڑی مقبول ہوئی۔

گول ميز كانفرنس:

۱۹۲۸ء میں حکومت برطانیہ نے ملک میں موجود وجاری آئین کی اصلاح کے لیے سائمن کمیشن کا تقرر کیا جس میں کوئی ہندوستانی شامل نہیں تھا، اس کی مخالفت کرتے ہوئے کمیشن کے سربراہ کی ملک آمد پر

اس کے خلاف عوامی مظاہرہ کیا گیا جس کے بعد لندن میں ایک گول میز کانفرنس ۱۹۳۰ء میں بلائی گئی جس میں کوئی اہم بات طے نہ ہوسکی، اس کے بعد اگلے سال پھر یہ کانفرنس ہوئی جس میں مولانا محمد علی جوہر اور گاندھی جی وغیرہ نے شرکت کی اور ایک معاہدہ کے تحت قیدیوں کی رہائی کے بدلے سول نافرمانی کی تحریک ترک کردی گئی۔

جلیان والا باغ کاقتل عام:

۱۳/اپریل ۱۹۱۹ء میں انگریز حکومت نے ایک قانون نافذ کیا جس کو رولٹ ایکٹ کا نام دیا گیا، اس کے تحت پورے ملک میں حکومت کے خلاف مظاہروں پر پابندی لگادی گئی، اس رویہ کے خلاف ۱۹۱۹ء میں پنجاب کے شہر امرتسر کے جلیان والا باغ میں احتجاجی مظاہرہ ہوا، ان مظاہرین پر انگریز جنرل ڈائر کے حکم سے گولیاں چلائی گئیں جس میں ۴۰۰/افراد ہلاک اور دو ہزار سے زائد زخمی ہوئے، یہ جنگ آزادی کی تحریکات میں ایک اہم واقعہ تھا، اس کو جلیان والا باغ واقعہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ہند چھوڑو تحریک:

۱۹۴۲ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی طرف سے اس تحریک کا آغاز ہوا، اس کے تحت انگریزوں کو بھگانے کے لیے ہڑتالیں کی گئیں، جس کے نتیجے میں ملک میں فسادات بھی ہوئے، اور نہرو اور گاندھی جی وغیرہ کو گرفتار بھی کیا گیا۔

آزاد ہند فوج:

ملک کی جنگ آزادی کے ایک اہم ہیرو سبھاش چندر بوس نے انگریزوں کو جاپان و جرمنی کی مدد سے باہر نکالنے کے لیے انڈین نیشنل آرمی یعنی آزاد ہند فوج کے نام سے ایک فوج کی بنیاد ڈالی اور ملک کی آزادی کا اعلان کرتے ہوئے ایک ہنگامی حکومت قائم کی، لیکن ۱۹۴۳ء میں انگریزوں نے رنگون پر اپنے قبضہ کے بعد آزاد ہند فوج کے سپاہیوں کو گرفتار کیا، مقدمات چلائے اور ان کو پھانسی کی سزا سنائی لیکن عوامی ردعمل کے ڈر سے وہ اس پر عمل نہیں کرسکے، سبھاش چندر بوس کی ایک ہوائی حادثہ میں وفات ہوئی، ملک کو ''جے ہند'' کا مقبول نعرہ انھوں نے ہی دیا تھا۔

انقلاب زندہ باد کا نعرہ:

ہندوستان کی جنگ آزادی میں ''انقلاب زندہ باد'' کے اردو نعرہ نے سب سے اہم رول ادا کیا، ملک کو یہ انقلابی نعرہ مولانا حسرت موہانی نے دیا تھا، یہ نعرہ اتنا مقبول ہوا کہ ہندوستان کی ہر زبان کا باشندہ اسی اردو زبان میں یہ نعرہ لگاتا تھا۔

ریشمی رومال تحریک:

ملک کی آزادی میں ہمارے ملک کے علماء بالخصوص دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داران اور فارغین کا اہم رول تھا، ان ہی علماء دیوبند کی طرف سے ملک کی آزادی کے لیے ۱۹۰۵ء میں ایک تحریک شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ نے شروع کی، اس میں انگریزوں کی نظر سے بچنے کے لیے افغانستان، ترکی اور جرمنی وغیرہ کے حکمرانوں کو ریشمی رومال پر مضمون تحریر کرکے خطوط لکھے جاتے تھے، اوران سے ملک کی آزادی کے لیے اخلاقی وفوجی مدد طلب کی جاتی تھی، ۱۹۱۶ء میں اس کے لیے شیخ الہند نے حجاز کا سفر کیا، انگریزوں نے بعد میں آپ کو گرفتار بھی کیا، مولانا عبیداللہ سندھی نے اسی دوران افغانستان میں ہندوستان کی آزاد حکومت قائم کی، اس تحریک کے اہم ارکان میں مولانا حسرت موہانی، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا برکت اللہ بھوپالی، راجہ مہندر پرتاب سنگھ اور ڈاکٹر مختار انصاری وغیرہ تھے، یہی تحریک بعد میں ریشمی رومال تحریک کے نام سے مشہور ہوئی۔

جمعیۃ العلماء:

برصغیر میں انگریزوں کے خلاف جذبہ حریت کو بیدار کرنے کے لیے علماء کی اس جماعت کا قیام ۱۹۱۹ء عمل میں آیا، اس کے پہلے صدر مفتی کفایت اللہ اور پہلے ناظم مولانا احمد سعید دہلویؒ تھے، اس تنظیم نے برطانوی سامراج کے خلاف ترک موالات اور عدم تعاون کی تحریک کی تائید کی اور اس کے خلاف ۴۷۴ علماء کا فتوی جاری کیا، مسلمانوں میں

ارتداد اور ہندوؤں کی شدھی سنگھٹن تحریک کے خلاف بھی اس تنظیم نے اہم رول ادا کیا۔ ۱۹۲۶ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی صدارت میں اس نے آزادی ہند کی قرارداد منظور کی، ملک کی تقسیم پر مسلم لیگ سے اس کے اختلافات ہوئے اور آخر تک متحدہ ہندوستان کے اپنے موقف ہی پر اس کے ممبران قائم رہے، برصغیر کے مسلمانوں میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی صدارت میں اس تنظیم نے غیر معمولی شہرت وقبولیت حاصل کی۔

مجلس احرار:

مسلمانوں میں جذبۂ حریت پیدا کرنے اور غیر مسلم برادران وطن کو بھی ملک کی آزادی کی تحریک میں شامل کرنے کے لیے اس جماعت کا قیام ۱۹۲۹ء میں مولانا ابوالکلام آزاد کی تجویز پر عمل میں آیا، اس کے پہلے صدر مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تھے، ۱۹۳۴ء میں اس پچیس ہزار کارکنان گرفتار کر کے جیل میں بند کردیئے گئے، بعد میں اس کے تمام ممبران کانگریس کی سول نافرمانی تحریک سے متأثر ہو کر کانگریس میں شامل ہو گئے۔

تحریک خلافت:

۱۹۱۴ء میں عالمی سطح پر یورپ میں پہلی جنگ عظیم ہوئی، اس میں ایک طرف جرمنی، آسٹریا اور ترکی وغیرہ تھے تو دوسری طرف برطانیہ، فرانس، اٹلی، روس اور امریکہ تھے، اس میں جرمنی اور اس کے ساتھیوں کو شکست ہوئی اور خلافت اسلامیہ کا ترکی سے خاتمہ ہوا، ۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم اول کے اختتام پر ترکی میں خلافت اسلامیہ کے خاتمہ کے بعد برطانیہ کے خلاف ممبئی میں مسلمانوں کو سیاسی طور پر بیدار کرنے کے لیے خلافت کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس میں ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کا ساتھ دیا، کانگریس نے بھی اس کی حمایت کی اور سب نے مل کر برطانوی مال کا بائیکاٹ کیا، جنوری ۱۹۲۰ء میں مولانا محمد علی جوہر کی سربراہی میں حکومت برطانیہ سے ترکی میں خلافت اسلامیہ کے خاتمہ کے سلسلہ میں گفتگو کے لیے ایک وفد جس میں علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا فضل حق وغیرہ شریک تھے برطانیہ روانہ ہوا، برطانوی وزیر اعظم سے ان کی گفتگو ناکام ہوئی جس کے بعد یکم اگست ۱۹۲۰ء کو پورے برصغیر میں انگریزوں کے خلاف ہڑتال ہوئی اور مسلمانوں سے کہا گیا کہ ان کے لیے اب برطانوی حکومت کے تحت فوج کی ملازمت کرنا حرام ہے جس کے بعد مولانا محمد علی جوہر کو دو سال قید کیا گیا اور دیگر ہزاروں مسلمانوں کو گرفتار کیا گیا۔

مسلم لیگ:

دسمبر ۱۹۰۶ء کو ڈھاکہ میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشن کے نام سے ایک کانفرنس نواب وقار الملک کی صدارت میں منعقد ہوئی، جس میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، حکیم اجمل خان، مولانا ظفر علی خان اور مولانا حسرت موہانی وغیرہم شریک ہوئے، اس میں نواب سلیم اللہ خان نے یہ تجویز پیش کی کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے ایک علیحدہ سیاسی تنظیم قائم کی جائے، اس جلسہ میں اس تجویز کی منظوری کے بعد دسمبر ۱۹۰۷ء کو کراچی میں باقاعدہ اس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، یوں تو اس تنظیم کا قیام جنگ آزادی میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے عمل میں آیا تھا، لیکن ۱۹۳۴ء میں ملک کے نامور وکیل محمد علی جناح جب اس کے صدر منتخب ہوئے تو ان کی صدارت میں مسلم لیگ کے لاہور اجلاس میں ۱۹۴۰ء کو مسلمانوں کے لیے علیحدہ مملکت کی قرارداد منظور کی گئی، جس کی پورے ملک میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے مخالفت کی، اس میں سرفہرست مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین مدنی وغیرہم تھے، ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو علیحدہ مملکت کے مطالبہ کے بجائے متحدہ ہندوستان ہی میں رہنا چاہئے لیکن جون ۱۹۴۷ء کو برطانوی حکومت نے مسلم لیگ کے اس مطالبہ کو تسلیم کیا اور ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان وجود میں آیا جس کے بعد مسلم لیگ تقسیم ہوئی اور پاکستان میں مسلم لیگ کے نام سے علیحدہ جماعت قائم ہوئی اور ہندوستان مسلم لیگ دیگر سیاسی پارٹیوں کی طرح صرف ایک پارٹی کی حیثیت سے باقی رہ گئی۔

تجزیہ

بارک حسین اوبامہ کی آمد اور جارج بش کی رخصتی

امن عالم کا پیش خیمہ

مولانا خورشید احمد داؤد قاسمی استاذ شعبہ انگریزی دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور

بارک حسین اوبامہ کی امریکی صدارتی انتخاب میں کامیابی صرف اوبامہ کی ہی کامیابی نہیں ؛ بلکہ امریکی جمہوریت اور ریاستہائے متحدہ کے عوام کی کامیابی ہے کہ وہاں کے عوام نے یہ ثابت کر دیا کہ ہم اتنے وسیع القلب ہیں کہ اپنے ''قائد اعلی'' کے طور پر ایک ''کالے شخص'' کو بھی منتخب کر سکتے ہیں ؛ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے اندر ہماری قیادت کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہو اور یہ صلاحیت بارک حسین میں پائی بھی جاتی ہو، اس موقع سے بارک حسین کا انتخابی نعرہ "Yes We Can" سب کو یاد آ رہا ہے اور قریب قریب سب یہی کہنے پر مجبور ہوں گے : ''ہاں اوبامہ صاحب! آپ اور آپ کے عوام وہ کر سکتے ہیں جو پوری دنیا کے لیے ایک خواب ہی ہے'' Yes, Mr Obama! Your nation and you can do the thing is a only vision for the whole world. اب بارک حسین اوبامہ کو مبارک ہو امریکہ کی صدارت جسے ان کے پیشرو اور دنیا میں سب سے زیادہ نفرت بھری نگاہ سے دیکھا جانے والا شخص جارج واکر بش نے ان کے لیے کانٹوں بھرا تاج کے طور پر ہی چھوڑا ہے ؛ کیوں کہ بش کی زیر صدارت ان دنوں جہاں ایک طرف امریکی معیشت کساد بازاری کا شکار ہے، وہیں امریکہ دو محاذوں پر جنگ بھی لڑ رہا ہے، مگر لوگوں کو اوبامہ سے امید ؛ بلکہ قوی امید ہے کہ جس طرح اس نے ایک افریقی امریکی ہو کر، امریکی صدارتی انتخاب فتح کیا ہے ؛ جہاں اوبامہ جیسے لوگ صرف ۱۵ فی صد ہیں ؛ اسی طرح وہ اپنی عقل و دانائی کو بروئے کار لاتے ہوئے دنیا بھر کے لاکھوں انسانوں کے دل کو جیتنے میں کام یاب رہیں گے، پھر تو یہ اوبامہ، امریکہ اور پوری دنیا کے لیے چین وسکون اور راحت وخوش حالی کی بات ہوگی، خدا کرے ایسا ہی ہو!

بارک حسین اوبامہ نے اپنی جیت کے ذریعے امریکی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر کے انہوں نے اپنی قیادت سے ایک تاریخ رقم کر دی، مستقبل میں جب کوئی مؤرخ امریکہ کی تاریخ لکھنے بیٹھے گا ؛ تو اسے بارک حسین اوبامہ کے لیے الگ ایک باب مختص کرنا ہوگا ؛ کیوں کہ امریکہ میں ''کالے'' اور ''گورے'' کا مسئلہ ایک سنگین قضیہ بن کر ایک طویل زمانہ تک رہا ہے، آج سے ۱۴۷ / سال پہلے امریکہ ایک ایسا ملک تھا جہاں پر نسلی تفریق اور کالے گورے کو لے کر خانہ جنگی تک کی صورت کا لوگوں نے مشاہدہ کیا، امریکہ میں موجود افریقہ نژاد لوگ وہ ہیں جن کے آباء واجداد غلام بنا کر امریکہ لائے گئے تھے اور ان کی خرید وفروخت قانونی طور پر کی جاتی تھی، ابھی بھی امریکہ میں بہت سے ایسے ''کالے'' موجود ہیں، جو صرف اپنے کالے ہونے کی پاداش جیل کی سلاخوں کے پیچھے شب وروز اذیت برداشت کر چکے ہیں، ایک ایسا بھی وقت تھا کہ امریکہ میں نسلی امتیاز اور تعصب کو قانونی حیثیت حاصل تھی، ایک زمانہ میں وہاں ایسا بھی قانون تھا کہ بس میں سفر کے وقت، کسی گورے کے بغل میں کوئی کالا نہیں بیٹھ سکتا، چاہے وہ سیٹ خالی ہی کیوں نہ ہوں، جو نل گوری چمڑی والوں کے لیے مخصوص کر دیا جاتا اس پر کوئی کالی چمڑی والا پانی نہیں پی سکتا تھا، اس طرح اس سرزمین پر جو

سب سے بدترین چیز تھی وہ رنگ ونسل کی بنیاد پر امتیاز اور تعصب برتنا تھا؛ لیکن انھیں کالوں میں ایک ہونہار بیٹے بارک حسین اوبامہ نے اپنی قابلیت اور صلاحیت کے ذریعے یہ ثابت کردیا کہ میں امریکہ کا شخص اول اور صدر بھی بن سکتا ہوں۔

جارج واکر بش جو امریکہ کا ایک صہیونیت ذہن اور عیسائی نسل صدر بنا، انھوں نے اپنی آٹھ سالہ مدت میں دوسرے تو دوسرے؛ بلکہ اپنی قوم کے دل کو بھی بری طرح مجروح کیا، ان پر بلاضرورت دو ایسے جنگوں کا بوجھ ڈالا جس کے وہ اہل نہیں تھے، آج وہ امریکی فوج جو عراق صحراؤں اور افغانستان کے پہاڑیوں میں، خوف وہراس کے ساتھ اپنی زندگی گزانے پر مجبور ہیں ان کے اہل خانہ کو یہ ہرگز پسند نہیں کہ ان کے گھر کا فرد اس طرح کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا جائے اور ان جنگوں میں اتنے ڈالرس خرچ کیے جائیں، جو ملک کی معیشت کو کساد بازاری کی راہ دکھائے، اسی طرح عام امریکیوں کو یہ گوارہ نہ ہوا کہ ان کا ملک جس طرح آج دنیا والوں کی نظر میں مبغوض بن گیا وہ اسی حال میں رہے؛ کیوں کہ آج امریکہ کا نام آتے ہی ایک ایسا تصور ابھر کر سامنے آتا ہے کہ یہ ایک سپر دہشت گرد ملک ہے، یہ وہ چیزیں تھیں جنھوں نے امریکی عوام کو یہ فیصلہ لینے پر مجبور کردیا کہ ہمارے ملک کا صدر ایک قابل وباصلاحیت، اہل علم وہنر اور بات چیت کے وقت اپنی زبان میں شیرینی رکھتا اور فرعونیت وشدادیت سے عاری ہو، ہمارے ملک کو دنیا والوں کی نگاہ میں ایک مثالی ملک کے طور پر پیش کرسکے، اس کی پیشانی پر لگے داغ ودھبہ کو دھوسکے، چاہے وہ کسی رنگ ونسل اور ذات کا کیوں نہ ہو، چنانچہ انھوں بارک حسین اوبامہ میں یہ خوبی دیکھی اور ان کے حق میں ووٹ ڈال کر منصب صدارت تک پہنچایا؛ لیکن یہ بات کسی کو نہیں بھولنی چاہیے کہ بارک حسین اوبامہ کی جیت میں امریکیوں کے تعاون کے ساتھ ساتھ ان کی اندرونی صلاحیت کا بھی بہت بڑا دخل ہے وہ جہاں ایک اہل علم ہیں وہیں وہ ماہر سیاسیات اور بہترین مقرر بھی ہیں انہوں نے اپنی انتخابی مہم میں ان مسائل کا ذکر پر اعتماد ہوکر کیا، جو در حقیقت اہم مسائل تھے اور امریکی عوام ان مسائل کے تدارک کے لیے فکر مند تھے؛ اس لیے بارک حسین اوبامہ آج امریکہ کے سب سے اعلی عہدہ کے مستحق بنے ہیں۔

بارک حسین اوبامہ کی آمد کو ''امن عالم کا پیش خیمہ'' عنوان دیا جائے تو کچھ غیر مناسب نہ ہوگا، بارک حسین اوبامہ صدارتی محل میں قدم ڈال چکے ہیں اور انہیں اب اپنا ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہوگا؛ کیوں کہ ان کے پیشرو بش نے ریاستہائے متحدہ امریکہ کو اپنی آٹھ سالہ مدت میں ان بدترین ممالک میں سرِ فہرست لا کھڑا کردیا ہے؛ جو اپنے مفاد کی خاطر دوسروں کے ملک میں نقب زنی کرکے، بچے، بوڑھے، مرد، عورت، ہرے بھرے باغات، بلند وبالا مکانات علمی نوادرات سے پرکتب خانے اور خوب صورت عجائب گھروں کو بغیر کسی امتیاز کے کھنڈرات میں تبدیل کرکے اپنی پیاس بجھانے میں یقین رکھتے تھے؛ لہٰذا لوگ امریکہ اور اس کے رخصت ہونے والے صدر سے حد درجہ متنفر ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ بش انتظامیہ نے سیاسی و اقتصادی، فوجی ودفاعی، ہر اعتبار سے امریکہ کو جہاں پہنچا دیا ہے کہ وہاں سے امریکہ کو سابقہ بلندی پر پہنچانے کے لیے بارک حسین کو کافی محنت اور جانفشانی کرنی ہوگی، بارک کو ان لوگوں کو لگام لگانی ہوگی جو اپنے طاقت وقوت کے غرور میں مست ہوکر، اپنے قلوب کی ناجائز تسکین کے لیے معصوم لوگوں کے خون کو پانی سے بھی گھٹیا سمجھ کر دن و رات بہاتے ہیں؛ کیوں کہ امریکی عوام کی بھی یہی منشا اور آرزو ہے کہ ہماری اقتصادی صورتِ حال ٹھیک ہو اور ہم قاتل وسفاک قوم کے طور پر دنیا کی نظر میں متعارف نہ ہوں، اب اگر بارک اوبامہ اپنی جیت کے بعد ان تمناؤں کو پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بش انتظامیہ کی غلط پالیسیوں کو یکسر مسترد کرکے اپنی نئی پالیسی وضع کرتے ہیں، تو اس صورت میں دنیا میں یقیناً امن پیدا ہوگا۔

بارک حسین اوبامہ سے جہاں امریکیوں نے بہت سی امیدیں لگا رکھی ہیں، وہیں دنیا بھر کے انسان بھی بہت سی توقعات رکھتے ہیں، ۱۱/

ستمبر کے بعد سے بش کے دور اقتدار میں عالمی دہشت گردی کے نام مسلمانوں کو روئے زمین کے ہر ہر خطے میں پریشان کیا گیا، عراق و افغانستان پر بلاضرورت جنگ تھوپی گئی، ان ممالک میں موجود خود ان کی فوجیں ان کے کسی ایسے حکم کی منتظر ہیں، جس سے وہ اپنے وطن آسانی سے لوٹ سکیں، فلسطینیوں کے حقوق سے ایک مدتِ دراز سے کھلواڑ کیا جارہا ہے، اسرائیلی فوج کی فلسطین میں دراندازی اور ظلم وستم کی ایک داستان ہے، آج فلسطینی قوم موجودہ تین سالہ محاصرہ کی وجہ سے ایک وقت کی روٹی کے لیے ترس رہی ہے، وہ اپنے ملک میں ہونے کے باوجود اسرائیلی فوجوں کی دراندازی کے سبب موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں، وہ اپنی موروثی جائیداد کو چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہیں، وہ دردر کی ٹھوکریں کھارہے ہیں، جو فلسطینی اپنے وطن میں ہیں وہ ایک غریب اور اجنبی بنے ہوئے ہیں، امریکہ کا ایران کے ساتھ تناؤ، ایک ایسا قضیہ ہے، جسے مذاکرات کی میز پر بھی سلجھایا جاسکتا ہے گوانتاناموبے جیل میں کچھ قیدی آج بھی اپنی زندگی کے آخری لمحات گزار رہے اور ایک لمحہ بھی ان سے بڑی مشکل سے کٹتا ہے، اس بدنام زمانہ جیل کو بند کرنے کے لیے بہت سی حقوق انسانی کی حفاظت کرنے والی تنظیموں نے بارک حسین سے مطالبہ بھی کردیا ہے، اسی طرح اور بھی بہت سے ایسے مسائل ہیں جن کے سلسلے میں دنیا بھر کے لوگ اوبامہ سے امید اور آس لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ کوئی معقول صورت پیش کرکے بہت سی آنکھوں سے آنسوں پوچھ سکتے ہیں۔

بارک اوبامہ کی تاریخ پیدائش اور تعلیم وتربیت:

بارک حسین اوبامہ ۴/اگست ۱۹۶۱ء کو ہانو لولو، ہوائی میں پیدا ہوئے، وہ ۲/سال تک اپنے مسلمان والد بارک اوبامہ سینئر کے ساتھ پلے بڑھے، اس کے والد کینیا کے صوبہ ''نائنزا'' کے لئو قبیلہ میں پیدا ہوئے، بارک حسین کی والدہ کا نام ''انے ڈنم'' ہے، بارک حسین کے والد نے ایک اسکالر شپ حاصل کی جس نے اسے ایک اچھا موقع فراہم کیا؛ لہذا وہ کینیا چھوڑ کر ''ہوائی'' میں اپنے خواب کی تلاش میں نکلا اور وہیں دوران تعلیم انے ڈنم سے شادی کی، جب بارک حسین اوبامہ پیدا ہوا، اس وقت اس کے والدین مینوا میں ہوائی کی یونیورسیٹی کے ایسٹ-ویسٹ سینٹر میں زیر تعلیم تھے، جب اوبامہ صرف دو سال کا تھا تو اس کے والدین ایک دوسرے سے جدا ہوگئے جو بعد میں طلاق کی شکل اختیار کرلی، بعدازیں اس کے والد ''پی ایچ ڈی'' کرنے کے لیے ہارورڈ چلے گئے اور پھر وہاں سے اپنے وطن کینیا لوٹے۔

پھر اس کی والدہ نے ایسٹ-ویسٹ سینٹر کے ایک دوسرے انڈونیشیائی مسلم طالب علم سے شادی کی، ۱۹۶۷ء میں اس کی والدہ اپنے انڈونیشیائی شوہر کے ساتھ ''جکارتہ'' چلی گئی، یہاں اوبامہ نے اپنی تعلیم کا آغاز انڈونیشیائی زبان کے ایک اسکول میں کیا، جب اوبامہ دس سال کا ہوا تو وہ جکارتہ سے اپنے ننیہال ہوائی کنساس لوٹ آیا، اوبامہ کی والدہ کا انتقال ۱۹۹۵ء میں کینسر کے مرض میں ہوا، جب کہ اس کے والد بارک اوبامہ سینئر کی وفات ۱۹۸۲ء میں ایک کار حادثہ میں ہوئی۔

بارک حسین اوبامہ ہائی اسکول کی تعلیم کے بعد دو سال تک لوس انجلس کے آکسیڈینٹل کالج میں تعلیم حاصل کی، پھر وہ ۱۹۸۳ء میں، نیویارک کے کولمبیا یونیورسیٹی میں پولیٹیکل سائنس میں گریجویشن کیا، کچھ دنوں تک ''بزنس انٹرنیشنل کورپوریشن'' اور ''این، وائی، پی، آئی، آر، جی'' میں کام کرنے کے بعد ۱۹۸۵ء میں ''شکاگو'' منتقل ہوگیا جہاں وہ آج مقیم ہے، واضح رہے کہ بارک حسین اوبامہ ۴/جنوری ۲۰۰۵ء کو ڈیموکریٹک پارٹی کی طرف سے سینیٹر منتخب ہوئے، وہ ۴/دسمبر ۲۰۰۸ء کو امریکہ کا صدارتی انتخاب جیت کر امریکہ کا پہلا کالا ۴۴/واں صدر منتخب ہوا، بارک حسین اوبامہ ۲۰/جنوری ۲۰۰۹ء کو اپنے عہدہ کا حلف لینے جارہا ہے۔

/////☆☆☆☆/////

مسائل وفقہ

چھٹی قسط

امامت کے مسائل اور احکام

محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی

مسبوق کی اقتداء:

امامت کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امام اپنے علاوہ امام کا مقتدی نہ بن جائے، مثلاً ایک شخص نماز عصر میں امام مسجد کو اخیر کی دو رکعت میں پاتا ہے پھر امام سلام پھیر دیتا ہے، اور وہ اپنی چھوٹی ہوئی رکعتوں کو پورا کرنے کے لیے کھڑا ہوجاتا ہے، اتنے میں دوسرا شخص آ کر نماز عصر میں ہی نماز پوری کرنے والے آدمی کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی نیت کرلیتا ہے تو کیا اس صورت میں مقتدی ثانی کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟۔

اسی طرح ایک شخص مسجد میں نمازیوں کے اژدحام کی وجہ سے صفوں کے آخر میں کھڑا ہوجاتا ہے، اور وہ امام کی حرکات وسکنات سے واقف نہیں ہوتا، تو وہ ان نمازیوں میں سے کسی کی اقتداء کرلیتا ہے تو کیا اس کا اقتداء کرنا درست ہوگا یا نہیں؟ فقہائے احناف کا کہنا ہے کہ مسبوق کی اقتداء کرنا صحیح نہیں ہوگا، خواہ اس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پائی ہو یا زیادہ، ہاں اگر دونوں شخصوں نے امام کی اقتداء کی ہے اور دونوں مسبوق ہیں اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد کوئی ایک دوسرے کی اقتداء کرلیتا ہے تو مقتدی کی نماز باطل ہوجائے گی، لیکن اگر ایک دوسرے کے تابع ہوگیا تاکہ یاد آتا رہے کہ کتنی رکعتیں چھٹی ہیں اور یہ عمل (اتباع) بغیر نیت اقتداء کے ہو تو امام سابق سے ارتباط کی وجہ سے ان دونوں کی نماز درست ہوجائے گی۔ (المصدر السابق صفحہ ۳۶۶)

امام اور مقتدی کی نماز کا متحد ہونا:

امامت کی یہ بھی شرط ہے کہ امام اور مقتدی کی فرض نماز ایک ہی وقت کی ہو، چنانچہ ظہر کی نماز، عصر کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے صحیح نہیں ہوگی اور نہ ظہر کی ادا پڑھنے والے کی ظہر کی قضا پڑھنے والے کے پیچھے ہوگی اور نہ اس کے برعکس، اسی طرح سنیچر کی ظہر پڑھنے والے کی اتوار کی ظہر پڑھنے والے کے پیچھے درست نہ ہوگی، اگرچہ دونوں نمازوں سے ہر ایک کی نماز قضاء ہی کیوں نہ ہو، اور اس بات پر حنفیہ ومالکیہ کا اتفاق ہے، اور اس نذر ماننے والے کی اقتداء کرنا بھی صحیح نہ ہوگا، جس کی نذر امام کی نذر کے عین مطابق نہ ہو، ہاں جب مقتدی کی نذر عین امام کی نذر کے مطابق ہوگی، مثلاً اس نے کہا کہ ''میں نے نذر مانی کہ میں ان دو رکعتوں کو پڑھ رہا ہوں جن کی نذر فلاں نے مانی ہے'' تو اقتداء کرنا صحیح ہوگا، ایسے ہی نذر ماننے والے کا قسم کھانے والے (حالف) کی اقتداء کرنا بھی صحیح نہ ہوگا، ہاں حالف کا ناذر کی اور حالف کا حالف کی اقتداء کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، فقہاء کا کہنا ہے کہ وقت کے اختتام کے بعد چار رکعت والی نماز میں مسافر کو مقیم امام کی اقتداء کرنا جائز نہیں کیونکہ وقت کے بعد مقتدی پر دو رکعت فرض ہوتی ہیں، اس طرح مقتدی کا جلسہ اولی فرض ہوگا اور مقیم امام کی چار رکعت فرض ہیں اس لئے امام کا جلسہ اولی سنت ہوگا، تو اس طرح مفترض کا متنفل شخص کی اقتداء کرنا لازم آتا ہے، جو درست نہیں ہے۔ (کتاب الفقہ صفحہ ۳۷۷ رجلدا)

مقیم کا مسافر کی اقتداء کرنا:

مقیم مقتدی کا مسافر امام کی اقتداء کرنا درست ہے، خواہ نماز کے وقت میں ہو یا خارج وقت میں، اس وجہ سے کہ مسافر کی نماز دونوں

اوقات میں ایک ہی ہے، کیونکہ امام کا قعدہ فرض ہوگا اور مقتدی کا نفل، تو اس طرح ہر نماز میں متنفل مقتدی مفترض کی اقتداء میں نماز پڑھتا ہے جو بالکل صحیح ہے، بس فرق یہ ہے کہ جب مسافر امام دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرے گا تو مقتدی مقیم سلام نہیں پھیرے گا کیونکہ ابھی اسکے ذمہ آدھی نماز باقی ہے اس کو پوری کرے گا، اگر مقیم مقتدی، مسافر امام کے ساتھ ہی سلام پھر دیتا ہے، تو اس کی نماز نہ ہوگی، فاسد ہو جائیگی، مقتدی کو چاہئے کہ کھڑا ہو کر چار رکعت پوری کرے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے "أتموا یا اهل مکة فانا قوم سفر"۔ (اخرجہ ابو داؤد برقم ۱۲۲۹، والترمذی برقم ۵۴۵، وقال ہذا حدیث حسن صحیح)

ترجمہ: ''اے مکہ والوں اپنی نماز پوری کرلو، ہم لوگ مسافر ہیں''

مسافر امام کو چاہئے کہ سلام پھیرنے کے بعد اپنے مقیم مقتدیوں کو (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے) کہہ دے کہ اپنی نماز پوری کرلو میں تو مسافر شخص ہوں، جب مقتدی مدرک ہو تو اس کی بقیہ نماز میں اس پر قرأت ضروری نہیں؛ کیونکہ اس کے ذمے آخری شفع ہے، ہمارے مشائخ میں سے بعض نے کہا کہ ''الاصل'' میں مذکور ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر قرأت واجب ہے، چونکہ انہوں نے فرمایا کہ اگر سہو ہو جائے تو سجدہ سہو لازم ہوتا ہے اور اس سے استدلال کرنا اس کے برعکس اولی ہے، چونکہ جب منفرد پر سہو کے سلسلہ میں سجدہ سہو لازم ہوا تو قرأت بھی اس پر ضروری ہوگی حالانکہ آخری شفع میں منفرد پر قرأت ضروری نہیں، پھر امام کے سلام پھیر دینے کے بعد مقیم لوگ فرداً فرداً نماز پڑھیں گے، اور اگر بعض بعض کی اقتداء کرنے لگ جائے تو ان میں سے امام کی نماز تو مکمل ہو جائے گی، اور مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لیے کہ انہوں نے ایسی جگہ اقتداء کی جہاں ان پر انفرادیت ضروری تھی، اگر مقیم اپنی نماز پوری کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا پھر امام نے سلام پھیر دینے سے پہلے اقامت کی نیت کرلی تو دیکھا جائے گا کہ اگر مقیم نے رکعت کا سجدہ نہیں کیا تو وہ اس کو چھوڑ دے اور اپنے امام کی اتباع کرے، حتی کہ اگر اس نے نہیں چھوڑا اور سجدہ کرلیا

تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لیے کہ اس کی نماز امام کی اتباع میں چار رکعت ہو جائے گی، اس لیے جب تک اس نے سجدہ کے ساتھ رکعت کو مقید نہیں کیا، اس وقت تک وہ امام کی نماز سے بھی نہیں نکلے گا، حالانکہ اس نے اس کو قیام و رکوع کے ساتھ مقید کیا اس لیے کہ اس نے اس کو نفل کے طریقہ پر پایا، چنانچہ وہ فرض کے قائم مقام نہیں ہوگا اور اگر اس نے اپنی رکعت سجدہ کے ساتھ پوری کرلی پھر امام نے اقامت کی نیت کی تو اس نے اپنی نماز پوری کرلی اور وہ امام کی اتباع نہیں کرے گا، حتی کہ اگر اس نے اس کو ترک کر دیا اور اس نے امام کی اتباع کرلی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لیے کہ اس نے اقتداء ایسی جگہ کی جہاں اس پر منفرد ہونا ضروری تھا۔ واللہ اعلم

مسافر کا مقیم کی اقتداء کرنا:

اسی طرح جب مسافر وقت کے اندر مقیم کی اقتداء کرتا ہے پھر نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی نکل جاتا ہے، تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی، نہ اس کی اقتداء باطل ہوگی اگر چہ مسافر کا خارج وقت میں ابتداءً مقیم کی اقتداء کرنا صحیح کیونکہ جب اس کی اقتداء کرنا صحیح ہوگا تو وہ اس کا تابع ہوگا اور اس کا حکم مقیمین کے حکم میں ہوگا اور مسافر کے ذمہ خارج وقت میں دو رکعت ہی ضروری ہوتی ہیں اور یہ مقیم ہو گیا ہے اور مقیم کی نماز خارج وقت میں دو رکعت نہیں ہوں گی، جب کہ وہ اقامت کی صراحتاً نیت کر کے مقیم ہو گیا اور اگر وہ امام کے پیچھے سو گیا یہاں تک کہ وقت نکل گیا اور وہ اس کے بعد بیدار ہوا تو اس وقت وہ چار رکعت پوری کرے گا، اس لیے کہ مدرک سو کر چھٹی ہوئی نماز ایسے ہی پڑھتا ہے گویا کہ وہ امام کے پیچھے ہے اور اس کے فرض اتباع کی وجہ سے چار رکعت میں بدل جائیں گے اور اتباع وقت کے نکلنے پر بھی باقی رہتی ہے، اسی وجہ سے وہ اس کا مقتدی رہے گا، اگر مسافر وقت کے بعد یا پہلے بات چیت کرلے تو ہمارے نزدیک دو رکعت پڑھے گا، امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے، اور اگر مسافر امام نے وقت کے اندر مقیم و مسافر لوگوں کی امامت کی پھر اس کو حدث لاحق ہو گیا اور اس نے مقیم لوگوں میں سے

کسی کو امام بنادیا تو اس کا اپنا خلیفہ امام بنانا صحیح ہے اس لیے کہ وہ امام کی نماز پوری کرانے پر قادر ہے، اتنا ضرور ہے کہ مسافروں کی نماز ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چار رکعت نہ ہوگی، اور امام زفر علیہ الرحمہ کے نزدیک مسافروں کے فرض چار رکعت میں تبدیل ہوجائیں گے؛ کیونکہ وہ مقیم امام کے مقتدی ہوگئے یہاں تک کہ ان کی نماز کی خرابی و درستگی کا تعلق بھی اسی مقیم امام سے ہوگیا، جس طرح سے مسافر کا مقیم کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے اس کی نماز چار رکعت ہوجاتی جیسا کہ اس نے ہیں اس کی ابتداء اقتدا کی ہے کیونکہ اگر ان کی فرض نماز چار رکعت میں تبدیل نہ ہوں تو مسافروں کا مقیم کی اقتداء کرنا بھی جائز نہ ہوگا، کیونکہ قعدۂ اولی امام کے لیے نفل ہے اور مسافروں کے ذمہ فرض ہے، تو اس طرح قعدہ کے اعتبار سے مفترض کا متنفل کی اقتداء کرنا لازم آئیگا، یہی وجہ ہے کہ خارج وقت میں مسافر کا مقیم کی اقتداء کرنا جائز نہیں۔

اور ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ مقیم نیابت کے اعتبار سے ضرورۃً امام ہوگیا کیونکہ اصل امام نماز پوری کرانے سے عاجز ہوگیا، تو وہ نائب نماز کی بقیہ مقدار کے مطابق امام کا قائم مقام ہوگا، اور جب امام نائب ہوگا تو وہ گویا اصل کی طرح ہے، جب اصل کی طرح کام کرے گا تو گویا وہ اصل ہی ہوگا اس طرح لوگ معنوی طور پر مسافر کے مقتدی ہوگئے اسی بناء پر ان کی نماز چار رکعت نہیں ہوگی اور قعدۂ اولی اس امام پر فرض ہوگا، اس لیے کہ وہ مسافر امام کا قائم مقام اس کی نماز پوری کرانے والا ہے۔

ایسے ہی اگر مسافر کو آگے بڑھایا گیا پھر اس نے اقامت کی نیت کرلی تو مسافروں کے فرض نہیں بدلیں گے، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اور جب مسافر کا قائم مقام امام بنانا صحیح ہے تو اس کو اصل مسافر امام کی نماز پورا کرانا چاہئے اور وہ دو رکعت ہیں، امام تشہد کے بقدر بیٹھے اور خود سلام نہ پھیرے، اس لیے کہ مقیم ہونے کی وجہ سے اس کے ذمہ ابھی آدھی نماز باقی ہے، اگر اس نے سلام پھیر دیا تو اس کی نماز سلام کی وجہ سے فاسد ہوجائے گی، اس لیے وہ مسافروں میں سے کسی کو اپنا نائب مقرر کردے جو ان کو سلام پھیرائے، پھر وہ مقیم امام خود اور دوسرے مقیم کھڑے ہوجائیں اور فرداً فرداً اپنی بقیہ نماز پڑھیں، اس لیے کہ وہ لاحقین کے حکم میں ہوں گے۔

اور اگر بعض مقتدیوں نے بعض کی اقتداء کی تو ان میں سے امام کی نماز تو پوری ہوگی کیونکہ وہ ہرحال میں منفرد ہوگا، اور مقتدیوں کی نماز فاسد ہوجائیگی، اس لیے کہ انہوں نے وہ کام چھوڑا جو ان پر فرض تھا، یعنی انہیں اس حال میں تنہا رہنا تھا، اور اگر مسافر امام نے وقت کے اندر مسافروں کو ایک رکعت نماز پڑھائی پھر اقامت کی نیت کرلی تو ان کو چار رکعت نماز پڑھائے گا، اس لیے کہ یہاں تو امام اصل ہے اور اس کی نماز اقامت کی نیت کی وجہ سے تبدیل ہوگئی تو لوگوں کی نماز اتباع کی بنا پر تبدیل ہوگئی، بخلاف فصل اول کے کیونکہ وہاں پہلے امام کا نائب تھا جو اس کی نماز کو پورا کرنے والا تھا، اگر کسی مسافر نے مسافر و مقیم لوگوں کی امامت کی پھر جب دو رکعت ہوگئی اور تشہد پڑھ لیا تو امام کے سلام پھیرنے سے پہلے پیچھے مسافروں میں سے کسی نے بات کرلی، یا کوئی کھڑا ہوکر چلا گیا پھر امام نے اقامت کی نیت کرلی تو امام کے فرض اور امام کے پیچھے ان مسافروں کے فرض جنہوں نے بات نہیں کی چار رکعت میں بدل جائیں گے نیت کے اپنی جگہ میں پائے جانے کی وجہ سے اور بات کرنے والے شخص کی نماز پوری ہوگئی اس لیے کہ اس نے ایسے وقت کے اندر بات کی کہ اگر اس امام نے اس میں بات نہیں کی تو نماز فاسد نہیں ہوگی بالکل اسی پر قیاس کرتے ہوئے مقتدی کی نماز ہے جب کہ اسی طرح ہے؛ لیکن اگر اس نے امام کی اقامت کی نیت کے بعد بات کی تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی، اس لیے کہ اس کی نماز امام کی وجہ سے چار رکعت ہوگی تو اس طرح گویا اس کا بات کرنا نماز کے درمیان پایا گیا، جس کی وجہ سے اس کی نماز کا فاسد ہونا لازم آیا؛ لیکن مسافروں کی نماز ہمارے نزدیک امام پر دو رکعت ہی ہوگی اس لیے کہ وہ تبعاً مقیم ہوگیا اور نماز کے فساد کی وجہ سے تبعیت ختم ہوگئی، چنانچہ اس کے حق میں مسافر کا حکم ہوگا۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج اول ص ۲۷۹)

جائزہ

اردو ایک مظلوم عالمی زبان

مولانا سید عنایت اللہ ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

پوری دنیا میں ساڑھے تین ہزار سے زیادہ زبانیں بولی جاتی ہیں، ان میں سے صرف ڈیڑھ سو زبانیں اہم ہیں جو مختلف ملکوں کے دفاتر میں سرکاری زبانوں کے طور پر اور اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور مدارس میں بطور میڈیم کے استعمال کی جاتی ہیں، ان میں سے بھی اہم ترین زبان صرف چودہ ہیں، جن کے بولنے والوں کی تعداد دس کروڑ سے زائد ہے، وہ زبانیں یہ ہیں:

چینی	انگریزی	اردو
اسپینی	ہندی	عربی
انڈونیشی	پرتگیزی	روسی
فرانسیسی	بنگالی	ترکی
جرمنی	جاپانی۔	

ان میں شروع کی سات زبانیں تو ایسی ہیں جن کے بولنے والوں کی تعداد بیس کروڑ سے زیادہ ہے۔

اس تجزیہ سے یہ واضح ہوگیا کہ اردو ان زبانوں میں شامل ہے جن کے بولنے والوں کی تعداد بیس کروڑ سے زائد ہے، جہاں تک اس کے مکانی رقبہ کا تعلق ہے تو وہ بہت بڑے علاقہ پر پھیلا ہوا ہے اور سرینگری سے لے کر بنگلور تک اور کراچی سے لے کر کلکتہ تک کے وسیع وعریض علاقہ کے لوگوں کی مادری زبان اردو ہے، ایک بین الاقوامی سروے چند دن پہلے سامنے آیا تھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان چینی ہے، اس کے بولنے والوں کی تعداد ایک ارب سے بھی زیادہ ہے، اس کے بعد دوسرے نمبر کی زبان انگریزی ہے جس کے بولنے والوں کی تعداد پچاس کروڑ سے زیادہ ہے اور اس کے بعد تیسرے نمبر کی زبان اردو ہے جس کے بولنے والوں کی تعداد چالیس کروڑ کے قریب ہے، اس تجزیہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اردو دنیا کی تیسری بڑی زبان ہے۔

ممکن ہے کہ یہ سروے اس بنیاد پر ہو کہ ہندوستان کی صرف چند ریاستوں کیرلا، تمل ناڈو، آسام، مغربی بنگال اور گجرات جیسی ریاستوں کو چھوڑ کر بقیہ تمام ریاستوں کے مسلمانوں کی زبان اردو ہے، اس طرح تقریباً بیس کروڑ اردو بولنے والے خود ہندوستان میں موجود ہیں اور پاکستان خلیجی ممالک، یورپ اور امریکہ میں کل ملا کر بیس کروڑ لوگ اردو بولنے والے موجود ہیں، ہندوستان میں جن اٹھارہ زبانوں کو تسلیم کیا گیا ہے ان میں دوسرے نمبر کی زبان اردو ہے جب کہ پہلے نمبر کی زبان ہندی ہے جس کے بولنے والوں کی تعداد تیس کروڑ کے لگ بھگ ہے یہ تو اردو زبان کی وسعت اور پھیلاؤ کا حال ہے۔

لیکن کسی زبان کی اہمیت صرف اس بات میں نہیں ہوتی کہ اس کے بولنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اس کا دائرہ بہت وسیع رقبہ پر پھیلا ہوا ہے، بلکہ دراصل اس کی اہمیت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ اس کے لکھنے اور پڑھنے والوں کی تعداد کتنی ہے، اس پہلو سے اگر جائزہ لیتے ہیں تو ہندوستان کی حد تک بہت زیادہ مایوسی کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

خاص طور سے آزادی کے بعد اردو زبان پر افتاد پڑی، ہندوستان کی آزادی سے پہلے متحدہ ہندوستان کی سرکاری زبان انگریزی کے

بعد اردو ہی تھی اور اردو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان تھی، اوراسی لیے جب پارلیمنٹ میں ووٹنگ کروائی گئی کہ ہندوستان کی سرکاری قومی زبان کسے قرار دیا جائے تو اردو اور ہندی دونوں کے حق میں یکساں ووٹ پڑے، مگر صدر محترم نے اپنا ذاتی ووٹ ہندی کے حق میں دے کر اسے قومی زبان قرار دیا اور یہیں سے ہندوستان میں اردو کے لیے المیہ کا دور شروع ہوگیا، ہر سطح سے اردو کو نکالنے کی سرکاری طور پر منظّم کوششیں شروع ہوگئیں، اور ہندوستان کا وہ علاقہ جو اردو کا اصل گہوارہ تھا اردو سے دور ہوتا چلا گیا، اتر پردیش، بہار، مدھیہ پردیش، راجستھان اور ہریانہ وغیرہ وہ صوبے ہیں جہاں کے ہنداور مسلمان سبھی اردو بولتے، لکھتے اور پڑھتے تھے، ان تمام صوبوں کے اردو میڈیم اسکولوں کو ہندی میڈیم اسکولوں میں تبدیل کردیا گیا، حالانکہ مرکزی حکومت کے قانون میں سہ لسانی فارمولہ درج کیا گیا جس کی رو سے اردو کو یہ حق دیا گیا کہ جس اسکول میں دس فیصد بچے اردو پڑھنے والے ہوں وہاں اردو ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے رکھا جاسکتا ہے اور جہاں اردو بولنے والوں کی اکثریت ہو وہاں اردو میڈیم اسکول پرائمری سے لے کر ہائی اسکول تک کھولا جاسکتا ہے لیکن یہ صرف کاغذی قانون کی حد تک رہا، اس پر عمل کرنے کے راستہ میں خاص طور پر مذکورہ بالا ریاستوں میں بڑی اڑچنیں اور روکاوٹیں کھڑی کی گئیں، اساتذہ مہیا نہیں کئے گئے، اردو کی نصابی کتابیں نہیں چھاپی گئیں، اردو میڈیم سے پڑھنے والوں اور اردو مضمون لیکر پڑھنے والوں کو سرکاری ملازمتوں سے محروم رکھا گیا، اعلیٰ تعلیم کے راستے ان کے لیے مسدود کردیئے گئے اور اس بات کا شوشہ چھوڑا گیا کہ اردو کو دیونا گیری رسم الخط میں تبدیل کردیا جانا چاہئے وغیرہ وغیرہ اس کے نتیجہ میں شمالی ہندوستان میں اردو کی حالت انتہائی خستہ ہوگئی۔

اب یہ سوال جو بار بار اٹھایا جارہا ہے کہ اردو کس کی زبان ہے؟ کیا یہ صرف مسلمانوں کی زبان ہے یا ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ انگریزوں کے دور میں اردو شمالی ہندوستان میں خاص طور پر مشترکہ زبان تھی جب کہ مسلم حکمرانی کے دور میں یہ صرف ہندوؤں کی زبان تھی، اس لیے کہ اس دور میں مسلمانوں کی زبان فارسی اور ترکی تھی، ہندوؤں کی مختلف بولیاں تھیں جیسے برج بھاشا، اودھی، بھوج پوری وغیرہ سب سے پہلے ہندوؤں ہی نے اپنی بولیوں کے ساتھ فارسی، عربی اور ترکی الفاظ، تراکیب اور محاورے استعمال کرکے مسلم حکمرانوں کے سامنے اپنا مدعا اور اپنی معروضات پیش کرنی شروع کی اور پھر مسلمانوں نے بھی اپنی زبانوں کے ساتھ مقامی بولیوں کو شامل کرکے اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنا شروع کیا، اس طرح ''اردو'' کے نام سے ایک ایسی مشترکہ زبان وجود میں آئی جو مشترکہ تہذیب کی علامت تھی، لیکن آزادی کے بعد معاملہ یکسر پلٹا کھایا اور ہندی کے نام سے ایک نئی زبان وجود میں آئی جس کا پہلے کوئی وجود ہی نہیں تھا اور اسی کو قومی زبان قرار دیا گیا، جیسا کہ اس سے پہلے اس کی تفصیل بتائی گئی ہے اور زور شور سے یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ ہندی ہندوؤں کی زبان ہے اور اردو مسلمانوں کی زبان ہے، اور ایسے حالات پیدا کئے گئے کہ یہ پروپیگنڈہ حقیقت میں تبدیل ہوگیا، چنانچہ اردو زبان کا دائرہ مسلمانوں میں سمٹتا چلا گیا، اب آج اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ''اردو'' ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے تو دراصل یہ بات حقیقت سے چشم پوشی کرنے اور آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہوگی، اس سے انکار نہیں کہ آج کوئی بھی ہندو اپنی زبان اردو نہیں بتاتا، حالانکہ شمالی ہندوستان کے سارے ہندو اردو بولتے ہیں لیکن آپ کسی بھی ہندو سے پوچھئے کہ تمہاری زبان کیا ہے تو برملا کہے گا ''ہندی'' کیونکہ وہ ہندی لکھنا اور پڑھنا جانتا ہے اور اردو نہ وہ لکھنا جانتا ہے نہ پڑھنا جب کہ عام بول چال میں اردو الفاظ، اردو ترکیبیں اور اردو محاورے ہی استعمال کرتا ہے، وہ اس زبان کو استعمال نہیں کرتا جو ہندی کتابوں اور اخبارات کی زینت بنتی ہے، اس کے باوجود ہندی ہی کو اپنی زبان بتاتا ہے، اب اگر ہم یہ کہیں کہ ہندوؤں کی زبان بھی اردو ہے تو یہ مدعی سست گواہ چست والی بات ہوجائے گی۔

اس تجزیے سے ہمارا مقصد اردو والوں کی ہمت شکنی کرنا نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت کا اعتراف ہے جو حکومتی مشنری کے ذریعے پیدا کردی گئی ہے اور آزادی کے ساٹھ سالوں میں حکومتی سطح پر شمالی ہندوستان سے اردو کو مٹانے کی ایسی زبردست کوشش کی گئی ہے کہ اگر اردو کے علاوہ کوئی دوسری زبان ہوتی تو کب کی مٹ چکی ہوتی اور اپنا وجود کھو چکی ہوتی، اس کے برخلاف اردو آج بھی نہ صرف زندہ و تابندہ ہے بلکہ اس کا دائرہ کار دور دور تک پھیلا ہوا ہے اور پھیلتا جا رہا ہے جیسا کہ شروع میں اس کی تفصیل بتائی گئی، اس کو صرف دو لفظوں میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ اردو ایسی عالمی زبان ہے کہ جو مظلومیت کا شکار ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ہم صرف اردو کی مظلومیت کا رونا روتے رہیں؟ یا اس کا جائز حق حاصل کرنے کے لیے بھی کچھ عملی اقدام کریں؟ اور عملی اقدام کرنے میں بھی کونسا طریقہ کار اختیار کریں؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ محض آنسو بہانا مسئلہ کا حل نہیں ہے، عملی اقدام ہی سے مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ وہ کونسا طریقہ کار اختیار کیا جائے جس سے اردو کو اس کا واجبی حق دلایا جا سکتا ہے؟۔

اس سلسلہ میں ایک بات محبان اردو کے ایک حلقہ کی طرف زور شور سے کہی جا سکتی ہے کہ اردو کو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان کی حیثیت سے پیش کیا جائے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اردو کو صرف مسلمانوں کی زبان کہہ کر پیش کرنے سے اس کی ترقی ممکن نہیں ہے یہ بات بالکل صحیح ہے کہ کوئی زبان بھرپور انداز میں اسی وقت ترقی کرتی اور پھلتی پھولتی ہے جب وہ کسی علاقہ کی مشترکہ زبان ہو، علاقہ کے تمام لوگوں کا اس سے جذباتی تعلق ہو، بلاتفریق مذہب و قوم سبھی اس کے لیے تن من دھن قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہوں، لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اردو کی اس حیثیت کو آزادی کے بعد ہندوستان کی مرکزی حکومت اور اس کی ریاستی حکومتوں نے بڑے ہی بے رحمانہ طریقہ سے کچل کر رکھ دیا ہے جیسا کہ گذشتہ سطور میں اس کی تفصیل بیان کی گئی، اب ہندوستان کی کسی بھی ریاست کے ہندوؤں کا اردو سے کوئی جذباتی لگاؤ نہیں ہے، البتہ اس کے برخلاف ہندوستان کے ہر صوبہ کے مسلمان اردو بولتے اور سمجھتے ہیں اور اردو سے ایک طرح کا جذباتی تعلق رکھتے ہیں: دہلی، ہریانہ، ہماچل پردیش، اترانچل، اتر پردیش، راجستھان، مدھیہ پردیش، بہار، جھارکھنڈ، اڑیسہ، چھتیس گڑھ، آندھرا پردیش، مہاراشٹر اور کرناٹک یہ وہ ریاستیں ہیں جہاں کے تمام مسلمانوں کی مادری زبان اردو ہے، جموں کشمیر کی تو خیر ریاستی سرکاری زبان ہی اردو ہے اور گجرات، مغربی بنگال، آسام، منی پور، تریپورہ اور تامل ناڈو کے مسلمانوں کی مادری زبان گرچہ اردو نہیں ہے، پھر بھی وہ اردو بخوبی سمجھتے اور بولتے ہیں، بلکہ وہ اپنی دینی اور علمی پیاس اردو ہی سے بجھاتے ہیں اور اپنی مذہبی ضرورتیں اردو ہی کے ذریعہ پوری کرتے ہیں، اب لے دے کر صرف کیرلا ایک ریاست ایسی رہ جاتی ہے جو اردو سے دور ہے، اور جہاں کے مسلمان اردو سے نابلد ہیں لیکن اب وہاں بھی اردو کی تعلیم کا رواج پڑ رہا ہے، اور وہاں کے مسلمان بھی اردو بولنے اور سمجھنے لگے ہیں۔

لہٰذا ہمیں یہ کہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرنی چاہئے کہ اردو ہندوستان کے مسلمانوں کی زبان ہے اور جس طرح ملک کے شہری ہونے کے ناطے یہاں بسنے والی تمام لسانی اکائیوں کو اپنی زبان کے تحفظ اور ترویج میں حصہ لینے کا حق حاصل ہے، اسی طرح مسلمانوں کو بھی اپنی زبان اردو کی ترویج و اشاعت میں حصہ لینے کا دستوری حق حاصل ہے، اگر مرکزی حکومت یا کوئی ریاستی حکومت اردو کی حق تلفی کرے تو اس کے خلاف آواز اٹھانے کا بھی مسلمانوں کو حق ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ گذشتہ ساٹھ سالوں میں اردو کی مبینہ حق تلفی کی گئی، مسلمانوں نے دبے لفظوں میں اس کے خلاف احتجاج بھی کیا، لیکن ان کی سرے سے کوئی سنوائی نہیں ہوئی، اور اگر ہوئی بھی تو طفل تسلی کی حد تک کچھ اردو اکیڈمیاں قائم کردی گئیں، اتر پردیش اردو اکیڈمی، بہار اردو اکیڈمی، دہلی اردو اکیڈمی وغیرہ وغیرہ اور ان اکیڈمیوں

کو ریاستی سطح پر کچھ دیر رقومات مہیا کر دی گئیں ، کچھ مشاعرے منعقد کروا دیئے گئے ، کچھ شعری مجموعے طبع کرا دیئے گئے ، بس اللہ اللہ خیر سلا ، جو بنیادی کام تھا وہ نہیں کیا گیا ، نہ اردو میڈیم اسکول قائم کئے گئے اور نہ ان کی ہمت افزائی کی گئی ، نہ اردو کی نصابی کتابیں تیار کر کے طبع کروائی گئیں اور نہ اردو اساتذہ مہیا کروائے گئے یہ سب کچھ ہوتا رہا اور مسلمان اس کو اپنا اہم ترین مسئلہ بنا کر اس کے خلاف سراپا احتجاج نہیں بنے ، حالانکہ ان کو اس کا حق تھا اور اگر وہ ایسا کرتے تو ممکن ہے صورت حال اس سے کچھ مختلف ہوتی جو آج ہے ، شمالی ہندوستان میں آج جو صورت حال اس کے نتیجہ میں بنی ہے وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے ، اسیّ فیصد مسلم نوجوانوں کا طبقہ اردو لکھنے پڑھنے کی صلاحیت سے محروم ہے ، اگر اسلاف کے قائم کردہ یہ عظیم ادارے دارالعلوم دیوبند ، مظاہر علوم سہارنپور ، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ، جامعہ ملیہ دہلی ، دینی تعلیمی کونسل وغیرہ نہ ہوتے تو شمالی ہندوستان سے اردو کا مکمل جنازہ ہی نکل چکا ہوتا ، آج جو کچھ اردو شمالی ہندوستان میں باقی ہے ، وہ انہیں اداروں کے طفیل سے ہے ، جنوبی ہندوستان خاص کر مہاراشٹر ، آندھرا پردیش اور کرناٹک کی حالت اس سے قدرے مختلف ہے ، ان ریاستوں میں پرائمری سے لے کر میٹرک تک اردو میڈیم اسکولس باقاعدہ ایک معتد بہ تعداد میں موجود ہیں اور چل رہے ہیں وہاں ان پر اس طرح تیشہ نہیں چلایا گیا جیسا کہ دہلی ، اتر پردیش ، بہار ، مدھیہ پردیش وغیرہ میں چلایا گیا اور مذکورہ بالا تینوں جنوبی ریاستوں میں اردو مسلمانوں کی زبان کی حیثیت سے متعارف ہو چکی ہے ، اور اردو میڈیم اسکولس قائم رہنے کی وجہ سے وہاں کا بچہ بچہ اردو لکھنے پڑھنے سے واقف ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگر ان ریاستوں میں پہلے سے اردو نہ ہوتی تو ہندی کبھی بھی وہاں قبول نہ کی جاتی ، اردو ہی کا صدقہ ہے کہ ان ریاستوں میں ہندی قابل قبول ہو رہی ہے جہاں کے ہندوؤں کی زبان ہندی نہیں ہے لیکن مسلمانوں کی زبان اردو ہے ، یہ عجیب طرفہ تماشہ ہے کہ جو اردو زبان ہندی کے فروغ میں معاون و مددگار بن رہی ہے اسی کو ہندی والے ہندی کا نمبر ایک دشمن سمجھ کر مکمل طور پر نیست و نابود کر دینے کے لیے تلے ہوئے ہیں ، اب یہ دیکھئے کہ فلموں میں جتنے ڈائیلاگس اور نغمے ہیں وہ سب کے سب اردو کے ہیں لیکن انہیں ہندی رسم الخط میں ہندی کہہ کر پیش کیا جاتا ہے اس سے ہندی کا فروغ ہو رہا ہے ، گویا اردو کے طفیل سے ہندی ترقی کر رہی ہیں اور اردو کو نقصان پہچایا جا رہا ہے ، ورنہ ہندی زبان میں فی نفسہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اسے مقبول بنا سکے۔

اس جملہ معترضہ کے بعد اصل موضوع پر آئیں کہ اردو کا فروغ کس طرح ممکن ہے ؟ تو اس سلسلہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اردو میڈیم اسکولوں کا قیام انتہائی ضروری ہے ، درجہ اول سے دسویں کلاس تک کے تمام مضامین اردو میڈیم سے پڑھائے جانے کا انتظام شمالی ہندوستان کے ہر مسلم علاقے میں کیا جائے ، اس تجربہ پر عمل کرتے ہوئے جیسا کہ مہاراشٹر ، آندھرا اور کرناٹک میں جاری وساری ہے ، یہ خیال کرنا کہ اس سے اردو اور ہندی میں تصادم پیدا ہو جائے گا ، انتہائی غلط ہے ، اردو اور ہندی دونوں بغیر کسی تصادم کے اسی طرح ساتھ ساتھ چل سکتی ہیں ، جیسے اردو میڈیم اسکولس ، مہاراشٹر میں مراٹھی میڈیم اسکولس کے ساتھ اور کرناٹک میں کنڑ میڈیم اسکولس کے ساتھ اور آندھرا پردیش میں تلگو میڈیم اسکولس کے ساتھ چل رہے ہیں ، اور مسلمانوں کو ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اردو میڈیم اسکول میں بچوں کو پڑھانے سے ان کا کیریئر خراب ہو جائے گا اور ان کو سرکاری ملازمتیں نہیں ملیں گی ، اور وہ اعلی مقابلہ جاتی امتحان میں حصہ نہیں لے سکیں گے ، یہ انتہائی احمقانہ خیال ہے اور تجربہ اس کے خلاف ہے ، سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے تناسب پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ مہاراشٹر ، کرناٹک اور آندھرا پردیش میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب دہلی ، اتر پردیش اور بہار کے مقابلہ میں کہیں بہتر ہے ، کیونکہ شمالی ریاستوں سے اردو میڈیم اسکولوں کا تقریباً خاتمہ ہی کیا

جاچکا ہے، دہلی میں مسلم آبادی کا تناسب تقریباً ۱۶/ فیصد ہے جب کہ سرکاری ملازمتوں میں مسلمان صرف ۳/ فیصد ہیں، اتر پردیش میں مسلم آبادی کا تناسب تقریباً ۱۹/ فیصد ہے، سرکاری ملازمتوں میں مسلمان صرف ۵/ فیصد ہیں، بہار میں مسلم آبادی کا تناسب تقریباً ۱۷/ فیصد ہے اور سرکاری ملازمتوں میں مسلمان صرف ۸/ فیصد ہیں، اس کے مقابلہ میں آندھراپردیش میں مسلم آبادی کا تناسب ۹/ فیصد ہے اور مسلمان سرکاری ملازمتوں میں بھی ۹/ فیصد ہیں، کرناٹک میں مسلمانوں کی آبادی ۱۳/ فیصد ہے اور مسلمان سرکاری ملازمتوں میں ۹/ فیصد ہیں اور مہاراشٹر میں مسلمانوں کی آبادی دس فیصد ہے اور مسلمان سرکاری ملازمتوں میں ۵/ فیصد کے قریب ہیں، اگر اردو میڈیم مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں سے دور کرنے کا باعث ہوتا تو نتیجہ اس کے برعکس ہونا چاہئے تھا جب کہ جنوب کی تینوں ریاستوں میں اردو میڈیم اسکولس ہر مسلم علاقے میں ہائی اسکول کی سطح تک آج بھی جاری وساری ہیں۔

اعلیٰ مقابلہ جاتی امتحان میں کامیابی حاصل کرنے میں بھی اردو ذریعہ تعلیم روکاوٹ نہیں ہے بلکہ اس کے راستہ میں بہترین معاون بنتا ہے، اس کی ایک تازہ مثال نمونہ کے طور پر دی جاسکتی ہے، مالیگاؤں مہاراشٹر کے رہنے والے محمد قیصر نے اردو میڈیم سے اپنے تعلیمی مراحل طے کئے تعلیم اور مطالعہ سے خاصہ شغف تھا، جس کی وجہ سے ہمدرد یونیورسٹی کا سفر کیا، ۲۰۰۶ء کے آئی ایس امتحان میں شرکت کی اور اردو میں امتحان دے کر اس میں کامیابی حاصل کی اور ۳۲ رویں نمبر آئے۔

اور یہ مطالبہ جو بار بار کیا جارہا ہے کہ اردو کو پہلی سے آٹھویں تک ہندو مسلمان سب کے لیے لازمی قرار دیدیا جائے یہ انتہائی غیر عملی اور نامناسب مطالب ہے، کیونکہ اولاً تو اس مطالبہ کا نفاذ قطعی ناممکن ہے، اگر بالفرض کسی حکومت نے اس مطالبہ کو عملی جامہ پہنا بھی دیا تو اس سے فتنہ بھڑکنے کا قوی امکان ہے، اس لیے کہ آپ کچھ لوگوں کو ایسی زبان پڑھنے پر مجبور کریں گے جو اسے پڑھنا نہیں چاہتے، نتیجہ وہ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں گے اور فتنہ وفساد بھڑکے گا، اردو میڈیم اسکولس قائم کئے جائیں تو اس طرح کا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا، ہندو مسلمان سبھی کو آزادی ہوگی کہ جو چاہے اس میں داخلہ لے، نہ کسی کو جبر کیا جائے گا اور نہ کسی پر روک لگائی جائے گی، البتہ اردو میڈیم اسکول میں داخلہ لینے کے لیے رغبت دلائی جائے اور ذہن سازی کی جائے۔

اردو میڈیم اسکول چلانے میں سب سے بڑی پریشانی نصابی کتابوں کی تیاری اور وصولیابی اور اچھے ماہر اور محنتی اساتذہ کی فراہمی ہے اور چونکہ حکومت کے عہدہ داران اور بیوروکریسی کا اس سلسلہ میں کوئی جذباتی وعملی تعاون نہیں ہے بلکہ ان کا رجحان اس کیخلاف ہے، تو اس لیے یہ معاملہ مزید پریشان کن اور پیچیدہ ہوجاتا ہے، اور محبان اردو سے کچھ قربانیوں اور کچھ عملی کدوکاوش اور محنتوں کا تقاضہ کرتا ہے، اس کے لیے اردو کے نام پر قائم سرکاری اور غیر سرکاری تنظیموں کو آگے آنا چاہئے اور خاص طور پر مختلف ریاستوں میں قائم اردو اکاڈمیوں کو اس سلسلہ میں تگ ودو کرنی چاہئے، صرف شاعروں کے مجموعوں اور ادیبوں کے مضامین کی اشاعت یا مشاعروں کے انعقاد یا انعامات کی ادائیگی ہی پر اپنے کو محدود رکھنے کے بجائے نصابی کتابوں کی تیاری اور اشاعت اور اردو میڈیم اسکولوں کو کھولنے اور جاری کرنے اور ماہر اساتذہ کی فراہمی پر بھی خاص توجہ دینی چاہئے، اس لیے کہ یہ اصل بنیادی کام ہے، کیونکہ اگر آئندہ آنیوالی نسلوں میں اردو پڑھنے والے افراد نہیں رہیں گے تو ان شاعروں اور ادیبوں کی تخلیقات وکاوشوں کو کون پڑھے گا، آج بھی یہ شکایت عام ہوتی جارہی ہے کہ اردو کی اعلیٰ درجہ کی کتابیں تو خوب شائع ہورہی ہیں لیکن ان کے پڑھنے والے دن بدن کم ہوتے جارہے ہیں، ابھی بھی وقت نہیں گیا ہے، تمام شاعروں، ادیبوں، نقادوں اردو کے چاہنے والوں اور اردو سے اپنا تعلق رکھنے والوں کو یہ ضرورت اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اردو پڑھنے والے افراد تیار کئے جائیں، صرف حکومت سے شکوہ شکایت کرتے رہنے اور اس سے مطالبہ کرتے رہنے سے مسئلہ حل ہونے والا نہیں ہے، خود

آگے بڑھ کر کام کرنے کی ضرورت ہے، حکومت سے مطالبہ بھی جاری رہے، اور یہ بنیادی کام بھی بڑی تندہی اور محنت سے انجام دیئے جائیں تب نتیجہ اچھا نکلے گا، اردو والوں کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ ایمرجنسی کی حالت سے دوچار ہیں، اور اس حالت میں اپنی محنت ومشقت کی مقدار وکیفیت میں اضافہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اب یہ سوال کہ ہمیں اردو ہی پر اصرار کیوں ہے؟ تو اس کے متعلق سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اردو ہماری مادری زبان ہے اور ہر ایک انسان کو جس طرح اپنی ماں سے محبت ہوتی ہے اسی طرح فطرت کا تقاضہ ہے کہ اس کو اپنے مادر وطن، مادر علمی اور مادری زبان سے بھی عشق ومحبت ہو، اگر کسی کو اپنی مادری زبان سے محبت وتعلق نہیں ہے تو اس کی فطرت مسخ ہو چکی ہے، یا وہ اپنی فطرت کے خلاف بغاوت پر تلا ہوا ہے، اور یہ اس کی بے حسی کی بہت بڑی دلیل ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اردو آج ایک عالمی زبان بن چکی ہے، جو دنیا کی تیسری بڑی زبان ہے جس کے بولنے والوں کی تعداد ۸۰ رکروڑ کے لگ بھگ ہے اور اس کی اہمیت بین الاقوامی طور پر تسلیم کی جارہی ہے، اور تیسری بات یہ ہے کہ اس کی مٹھاس اور شیرینی میں دنیا کی کوئی زبان اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی، اس کی یہی وجہ وہ خصوصیت ہے جو ساری رکاوٹوں اور نامساعد حالات کے باوجود اس کو بے پناہ مقبولیت سے ہمکنار کررہی ہے، اور چوتھی سب سے اہم ترین بات یہ ہے کہ اردو ایک اسلامی زبان بن چکی ہے، اسلامی علوم ومعارف کا اتنا بڑا ذخیرہ اردو زبان میں منتقل ہو چکا ہے، کہ صرف عربی زبان کو چھوڑ کر دنیا کی کسی زبان میں ایسا سرمایہ نہیں ہے، تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت رسول، اسلامی تاریخ، اسلامی معیشت، اسلامی تصوف، اسلامی تہذیب وتمدن، اسلامی عقائد و اعمال، غرضیکہ علوم شریعت سے متعلق اتنی عظیم الشان کتابیں اردو میں لکھی جاچکی ہیں کہ عربی کے علاوہ دنیا کی کوئی زبان اس سلسلہ میں اردو کی ہمسری کا دعوی نہیں کرسکتی، چنانچہ مذہبی اعتبار سے بھی مسلمانوں کی یہ لازمی ضرورت ہے کہ وہ اردو سے اپنا تعلق باقی رکھیں، اس کے ساتھ ساتھ دیگر دنیاوی علوم وفنون سے بھی اس کا دامن خالی نہیں ہے، تاریخ، جغرافیہ، طب، فلکیات، ہیئت، ہندسہ، امور خانہ داری، باغبانی، معاشیات، سیاسیات، سماجیات سے متعلق کتابیں بھی اردو زبان میں بڑی تعداد میں تصنیف وتالیف کی گئی ہیں، غرضیکہ ایک اردو داں شخص کو اپنی علمی ودینی پیاس بجھانے کے لیے کسی دوسری زبان کا سہارا لینے کی بہت زیادہ ضرورت نہیں ہے۔

ایک بات بعض لوگوں کی طرف سے یہ اٹھائی جاتی ہے کہ اردو کا فارسی رسم الخط بہت مشکل ہے، اس وجہ سے اس کی ترقی نہیں ہو پاتی، اگر اس کا رسم الخط لاطینی یا دیوناگری یا رومن رسم الخط میں تبدیل کردیا جائے، تو اس کی بہت زیادہ ترقی ہو جائے گی، یہ مطالبہ آزادی کے بعد بھی ایک حلقہ کی طرف سے اٹھایا گیا تھا اور اب بھی کبھی کبھی اٹھایا جاتا رہتا ہے، یہ مطالبہ انتہائی غیر معقولیت پر مبنی غیر فطری مطالبہ ہے۔

پروفیسر نصیر احمد خاں سابق چیئرمین ہندوستانی زبانوں کا مرکز، جواہر لال نہرو یونیورسٹی، اپنے ایک مضمون میں رسم الخط کی تبدیلی کے مطالبہ پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ''ہر زبان کا ایک سماج ہوتا ہے، ہر سماج اپنی تہذیبی وثقافتی زندگی سے رچتا اور بستا ہے اردو کی بھی ایک تہذیب ہے، جس کا اردو رسم الخط ایک حصہ ہے، اردو زبان اور اس کا رسم الخط دونوں لازم وملزوم ہیں، انہیں ایک دوسرے سے الگ کر کے نہیں دیکھا جاسکتا''۔

اردو ایک زندہ زبان ہے جو اپنے رسم الخط ہی سے پہچانی جاتی ہے اور اسی رسم الخط ہی کے ساتھ اس نے ایسی زبردست مقبولیت حاصل کی ہے کہ آج دنیا کی تیسری بڑی زبان بن گئی ہے، پاکستان کی وہ سرکاری زبان ہے وہاں کا بچہ بچہ اردو بولتا، پڑھتا اور لکھتا ہے، ہندوستان کے ۲۳ رصوبوں میں اردو بولی پڑھی اور لکھی جاتی ہے، کشمیر، دہلی، یوپی، بہار، جھارکھنڈ اور آندھراپردیش کی سرکاری زبان ہے، بنگلہ دیش میں ایک کروڑ افراد اردو بولنے پڑھنے اور لکھنے والے موجود ہیں، اس کے علاوہ افغانستان، ایران، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، قطر،

بحرین، کویت اور عمان میں اردو بولنے پڑھنے اور لکھنے والوں کی ایک معتد بہ تعداد پائی جاتی ہے، یہ ترقی اور مقبولیت اس کو اس کے رسم الخط کے ساتھ حاصل ہوئی ہے، پھر اس کے رسم الخط کو تبدیل کرنے کی کونسی معقولیت ہے؟۔

پھر یہ کہ اردو رسم الخط تو بہت ساری دوسری زبانوں کے رسم الخطوں کے مقابلہ میں بہت ہی آسان ہے، خود ہندوستانی زبانوں کے اندر تمل اور ملیالم کا رسم الخط اردو کے مقابلہ میں کہیں زیادہ مشکل ہے اور دنیا کی نمبر ایک کی بین الاقوامی زبان چینی اور اسی طرح سے جاپانی اور کوریائی زبانوں کا رسم الخط بھی انتہائی مشکل اور پیچیدہ ہے، تو کیا مشکل اور پیچیدہ ہونا ان کی ترقی و پیش قدمی کے راستہ میں رکاوٹ ثابت ہوا اور نہ ان کے بولنے والوں نے ان کے رسم الخط کو بدلنے کا کوئی مطالبہ کیا، اسطرح کا مطالبہ کرنے والے دراصل حقیقت سے چشم پوشی اختیار کرنیوالے اور بے عمل لوگ ہوتے ہیں، ان کی طرف التفات کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

اور سب سے بڑی بات یہ کہ رسم الخط کی تبدیلی سے ہندوستانی مسلمانوں کا رشتہ ماضی سے مکمل طور پر منقطع ہو جائے گا اور بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ”اہل علم و نظر جانتے ہیں کہ صرف رسم الخط Script کی تبدیلی سے ایک ملک کے پورے باشندوں کا اپنے قدیم علمی ورثہ اور پوری ثقافت سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، اور وہ اپنے ماضی سے منقطع ہو جاتے ہیں، اسی بنا پر ایک فلسفی مؤرخ Arnold Toyn bee نے لکھا ہے کہ ”اب کسی کتب خانہ اور علمی ذخیرہ کو نذر آتش کرنے اور برباد کرنے کی ضرورت نہیں، رسم الخط Script کا بدلنا کافی ہے، اس طریقہ سے اس ملک کا اپنے ماضی سے رابطہ بالکل ختم ہو جائے گا“۔

رسم الخط میں تبدیلی کے مطالبہ کا سوال اس لیے بھی پیدا ہوا کہ حکومت کی طرف سے بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر دباؤ ڈال کر خالص اردو فلموں کو زبردستی ہندی رسم الخط میں ہندی کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا گیا تو کچھ کم فہم لوگوں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ پوری اردو زبان کو ہندی (دیوناگری) رسم الخط میں تبدیل کیا جا سکتا ہے، یہ دراصل ان کی خام خیالی ہے، کیونکہ دیوناگری یا رومن کوئی بھی رسم الخط اردو زبان کے صوتی نظام کو پیش کرنے سے قاصر ہے، جیسے ز، ذ، ث، ض، ق، خ یہ حروف ان زبانوں میں پائے ہی نہیں جاتے، اس لیے اردو زبان اپنی اصل ہیئت و شکل کے ساتھ ان رسم خطوں میں کیسے منتقل ہو سکتی ہے؟۔

اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ آزادی کے بعد سرکاری مشینری کا استعمال کر کے ایک منظم طریقہ پر اردو میڈیم اسکولوں کا ہندوستان کی شمالی ریاستوں سے خاص طور پر خاتمہ کر دیا گیا، اب لازماً اردو بولنے والے مسلمان بھی اردو رسم الخط کو لکھنے اور پڑھنے سے محروم ہو گئے اور اپنی اردو زبان کو لکھنے کے لیے بھی ہندی یا رومن رسم الخط کا استعمال کرنا شروع کیا تو اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی کہ اردو رسم الخط مٹ گیا، حالانکہ یہ تو ان کی مجبوری تھی، انہیں اردو رسم الخط سکھانے کی ادنی سی کوشش بھی نہیں کی گئی اردو رسم الخط تو اتنا آسان ہے کہ صرف چھ مہینوں میں آدمی اردو لکھنا پڑھنا سیکھ سکتا ہے۔

یہاں محبان اردو اور اردو تنظیموں، اردو اکاڈمیوں اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان جیسے اداروں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ آگے آئیں اور جگہ جگہ اردو رسم الخط سکھانے کے کیمپ لگائیں جو مخصوص وقفہ میں حروف شناسی یا رسم الخط سکھانے کے نیک کام کو سرانجام دیں، مسجدوں، مدرسوں، مکتبوں، درگاہوں، لائبریریوں اور اسکولوں میں اردو رسم الخط سکھانے کی سہولتیں فراہم کی جائیں، اور یہ کام ایمرجنسی اور ہنگامی حالات کے طور پر انجام دیا جانا چاہئے اس طرح سے اردو رسم الخط سیکھنے اور سکھانے کا مسئلہ بڑی حد تک حل ہو جائے گا اور اردو کے بارے میں عام غلط فہمیاں خود بخود دور ہو جائیں گی۔

اردو کے بارے میں ہندوستان کے اندر اردو دشمنوں کی طرف سے یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ اردو تقسیم ملک کی ذمہ دار ہے اور یہ

پروپیگنڈہ دراصل بعض محبان ہندی کی طرف سے کیا جاتا ہے، یہ پروپیگنڈہ کرنے والے بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ اردو پر یہ الزام سراسر بے بنیاد اور غلط ہے اور اس کے باوجود ایسا پروپیگنڈہ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اردو کو ہندی کی ترقی کے راستہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں، سب سے پہلے تو انہیں اپنا ذہن صاف کر لینا چاہئے کہ اردو، ہندی کی ترقی کے راستے میں معاون و مددگار بن رہی ہے نہ کہ رکاوٹ جیسا کہ گذشتہ سطور میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ غیر ہندی ریاستوں میں اردو کے طفیل ہی سے ہندی کو فروغ حاصل ہو رہا ہے، اور جہاں تک اس الزام کی حقیقت ہے تو اسے پرکھنے کے لیے اتنا جاننا کافی ہے کہ آزادی کے وقت دہلی، یوپی اور بہار میں اردو سے تعلق رکھنے والے جتنے بھی معروف ومشہور ادارے، انجمنیں، تنظیمیں، اخبارات وجرائد تھے وہ سب کے سب تقسیم ملک کے مخالف تھے اور اس کا برملا وہ اظہار بھی کرتے تھے، دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مظاہر علوم سہارنپور، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جمعیۃ علماء ہند، جماعت اسلامی، اخبار الہلال، مدینہ، الجمعیۃ، الندوۃ ان میں سے کوئی بھی تقسیم کا حامی نہیں تھا، تقسیم کی آواز تو بنگال، پنجاب اور سندھ سے پوری شدت کے ساتھ اٹھی تھی اور ہندوستان کے سیدھے سادھے بھولے بھالے مسلمان اس آواز کے پیچھے لپک گئے ورنہ مسلمانوں کا علم داں اور دانشور طبقہ شروع سے اس کا مخالف رہا، تو یہ الزام کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ اردو تقسیم کی ذمہ دار ہے، بلکہ تقسیم کی اصل ذمہ دار تو انگریزی ہے، اس لیے کہ انگریزوں ہی نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈال کر تقسیم کا راستہ ہموار کیا اور اپنا الو سیدھا کیا، انگریزی کو تو ہم سینہ سے لگائے ہوئے ہیں، ساٹھ سال گزر گئے؛ لیکن ہم انگریزی سے پیچھا نہیں چھڑا سکے، آج بھی سات سمندر پار کی انگریزی ہمارے قلب وجگر میں بسی ہوئی ہے، لیکن وہ اردو زبان جو اسی سرزمین میں پیدا ہوئی اور یہیں پلی بڑھی اور سب سے پہلے انگریزوں کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کی آواز لگائی، اسی کو ہم دربدر کر رہے ہیں، اردو زبان کو یہ فخر حاصل ہے کہ جرأت وبے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سب سے پہلے اسی نے انگریزوں کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کا بگل بجایا، اردو زبان کے مقررین وصحافی سب سے پہلے میدان عمل میں آئے۔

۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی میں سب سے بڑا اولین کردار اردو زبان نے ادا کیا تھا، جس کا دستاویزی ثبوت اس وقت کے اردو اخبارات کا مطالعہ کرنے سے ہوتا ہے ''انقلاب زندہ باد'' کا نعرہ تو اردو ہی نے دیا ''آزاد ہند فوج'' کا نام تو اردو ہی سے لیا گیا۔

قلم کار حضرات متوجہ ہوں!

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لیے اپنے دینی، اصلاحی، ادبی، دعوتی، تاریخی اور تحقیقی مضامین ارسال فرما کر اس دعوتی مشن کو آگے بڑھانے میں ہمارا تعاون کریں۔

☆ مضامین خوشخط، صاف اور کاغذ کے صرف ایک طرف ہی تحریر فرمائیں۔

☆ مضامین ارسال کرتے وقت رسالہ کے معیار اور علمی ذوق کا خاص لحاظ رکھیں۔

☆ شائع شدہ مضامین شامل اشاعت نہیں ہوں گے۔

☆ ناقابل اشاعت ہونے کی صورت میں مضامین واپس نہیں کیے جائیں گے۔

نیز نقوش اسلام کے اندر شامل مضامین میں قلمکار حضرات جو رائے پیش کرتے ہیں، وہ ان کی اپنی ذاتی رائے ہوتی ہے، اس سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

//////☆☆☆☆/////

احوال برزخ

حیاتِ انسانی کا دوسرا مرحلہ- برزخ
قرآن، حدیث اور عقل کی کسوٹی پر

مولانا محمد حذیفہ غلام محمد وستانوی، استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

اللہ کی ذاتِ بابرکت ازلی وابدی ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، گویا دوصفات اللہ کی ذات میں موجود ہیں، یہ من جملہ خصائص الٰہیہ کی ایک خصوصیت ہے، اللہ جل جلالہ کے علاوہ کوئی ازلی ابدی نہیں، مادی نظریات -جس کو مغربی نظریات بھی کہہ سکتے ہیں- نے دنیا کے فناو بقا کے بارے میں بہت ٹھوکریں کھائیں، کبھی کہا کہ دنیا ازلی اور ابدی ہے، کبھی کہا ازلی نہیں مگر ابدی ضرور ہے، کبھی کہا ازلی بھی نہیں اور ابدی بھی نہیں؛ گویا اسے اس بات کو تسلیم کرنا پڑا کہ ایک نہ ایک دن اس دنیا کو فنا ہونا ہے، آج کی سائنس اسی نتیجہ پر پہنچی ہے جب کہ اسلام اس بات کو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہی کہتا چلا آ رہا ہے۔

گویا سائنس دین فطرت یعنی اسلام سے دس پندرہ ہزار سال پیچھے ہے اور ہونا بھی چاہئے؛ کیونکہ اسلام دین الٰہی ہے اور سائنس مذہب انسانی ہے، اب کہاں خالق اور کہاں مخلوق، کہاں اللہ اور کہاں انسان، ابھی قریبی زمانہ کے ایک ولی اللہ اور مشہور بزرگ جنہیں محی السنہ (سنتوں کو زندہ کرنے والا) کہا جاتا ہے، حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان ازلی تو نہیں البتہ ابدی ضرور ہے، کیونکہ حیات دنیوی کے بعد انتقال کرکے وہ حیات اخروی کی طرف منتقل ہوگا اور پھر وہاں خالدین (ہمیشہ ہمیش کے لیے) جنت میں یا جہنم میں رہے گا۔

قرآن وحدیث کے نصوص سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان کو اپنی زندگی میں تین مراحل یا اَدوار سے سابقہ پڑتا ہے، جیسا کہ ''عقائد اہل سنت والجماعت'' کی سب سے معتبر ترین کتاب ''العقیدۃ الطحاویۃ'' کے مصنف محدث وفقیہ ابوجعفر الطحاویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ''إن الدور ثلاثة دار الدنيا و دار البرزخ و دار القرار و قد جعل الله لكل دار احكاما تخصها و ركب هذا الانسان من بدن و نفس و جعل احكام الدنيا على الابدان و الارواح تبع لها و جعل احكام البرزخ على الارواح و الابدان تبع لها فإذا كان يوم حشر الاجساد و قيام الناس من قبورهم صار الحكم و النعيم و العذاب على الارواح و الاجساد جميعا''۔ (شرح العقيدة الطحاوية: ۳۹۲)

اللہ جزاءِ خیر عطا فرمائے امام ابوجعفر طحاویؒ کو کہ آپ نے کتنے اچھے پیرائے میں انسان کے مراحل حیات اور اس پر مرتب ہونے والے احکامات کو بیان کیا، آپؒ فرماتے ہیں دارتین ہیں:

☆ دارالدنیا ☆ دارالبرزخ ☆ دارالقرار

اللہ رب العزت نے ان میں سے ہر ایک دار کے لیے مخصوص احکام ٹھہرائے، دوسری جانب انسان کو بدن اور نفس سے مرکب پیدا کیا، دنیاوی احکام کو ابدان پر لازم کیا اور برزخ کے احکامات ارواح پر، اور جب قیامت قائم ہوگی تو بدن اور نفس دونوں کو یا جنت کی نعمتیں ملیں گی یا جہنم کا عذاب۔

ان تینوں مراحل حیات کو سمجھنے سے پہلے انسان کو خود اپنے آپ کو سمجھنے کی ضرورت ہے کیوں کہ جب خود اپنے آپ کو نہیں سمجھے گا تو کیسے وہ اپنے متعلقات کو سمجھ سکتا ہے؟

لہٰذا انسان کو یہ جان لینا چاہئے کہ اللہ نے دنیا میں کوئی چیز بے سود،

بیکار بلا کسی غرض ومقصد کے نہیں پیدا کی، ہر چیز کی تخلیق کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد، حکمت اور مصلحت کارفرما ہوتی ہے، اب جب ساری مخلوقات کو حضرت انسان کی خدمت کے لیے کسی نہ کسی مقصد سے پیدا کیا جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:"خلق لکم ما فی السموات و الارض"تو ذرا غور کیجئے! خود انسان کی تخلیق کا مقصد کتنا عظیم ہوگا قرآن اسے بھی بیان کرتا ہے:"وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون" انسان اور جنات کو میں نے محض اپنی عبادت کی غرض سے پیدا کیا۔

اسی لیے انسانی زندگی اللہ کے نزدیک اس کی اہمیت کے پیش نظر بڑی ہی منظم، مرتب اور مربوط ہے، اس کی زندگی کا کوئی مرحلہ عبث نہیں، اس کی نشو ونما بھی تدریجی، اس کی عقل بھی تدریجی، لہٰذا اللہ تک پہنچنے کے لیے اس کی زندگی بھی تدریجی، پہلے حیات دنیا جس میں وہ روح و بدن دونوں کی اصلاح کا مکلّف، اس میں بھی بدن اصل اور روح تابع، اگر اصلاح ہوگئی تو برزخ میں (جو تقرب الی اللہ اور جنت آخرت کی پہلی منزل ہے) روح کو سکون مل جائے گا اور بدن اس کے تابع ہوگا اور آخرت میں بدن اور روح یا تو نعمت کے لیے سزاوار یا عذاب کے امیدوار ہوگی، اب ہم یہاں انسان کی منزل ثانی برزخ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ انشاء اللہ!

حیاتِ برزخ:

برزخ، لغت میں کہتے ہیں دو چیزوں کے درمیان حائل حجاب کو۔ (لسان العرب ابن منظور:۱/۱۱۶)

برزخ کی اصطلاحی تعریف:

"مابین الدنیا و الآخرة من وقت الموت الی البعث فمن مات فقد دخل البرزخ" دنیا اور آخرت کے درمیان کی زندگی کو برزخ کہتے ہیں، یعنی موت سے لے کر قیامت تک کا مرحلہ۔ (الصحاح جوہری:۱/۴۱۹)

برزخ کا ذکر قرآن میں:

اللہ کا ارشاد ہے:"و من ورائهم برزخ الی یوم یبعثون" (سورۃ المومنون) دوسری جگہ ارشاد ہے: "سنعذبهم مرتین ثم یردون الی عذاب عظیم" (سورہ توبہ) اور ایک جگہ ارشاد ہے:"وان للذین ظلموا عذابا دون ذلك و لكن اكثرهم لا یعلمون" (سورہ طور) ایک اور جگہ ارشاد ہے: "و من اعرض عن ذكری فان له معیشة ضنكا و نحشره یوم القیمة اعمی"۔ (سورۃ طٰہ)

ان آیات کریمہ میں سے بعض آیتیں صراحتاً حیاتِ برزخ پر دلالت کر رہی ہے اور بعض آیتیں اشارۃً حیات برزخ پر غمازی کرتی ہے۔

امام ابن القیم الجوزی فرماتے ہیں: یہ جان لینا چاہئے کہ عذاب قبر اور نعمتِ قبر درحقیقت عذاب برزخ اور نعیم برزخ ہی ہے اور اس سے کسی کو خلاصی اور نجات نہیں ہے، چاہے انسان کو جلا دیا جائے، چاہے درخت پر لٹکا دیا جائے اور اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیا جائے یا کسی مؤمن صالح کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال کر مار دیا جائے، ہر ایک کو برزخ کے عذاب یا اس کی نعمتوں سے لامحالہ دوچار ہونا ہے، جیسا کہ بنو اسرائیل کے اس گناہ گار شخص کا واقعہ سے ثابت ہوتا ہے، جس نے اپنی اولاد کو جلا کر خاک کرنے اور پھر اسے ہوا میں اڑا دینے کی وصیت کی تھی، مگر اللہ نے ہوا اور سمندر کو حکم دے کر اسے زندہ کیا اور اس سے سوالات کئے، اگر کوئی برزخ کا انکار کرتا ہے تو گویا اللہ کی قدرت اور الوہیت کا انکار کر رہا ہے۔ (الروح:۷۳)

عذاب قبر پر حضرت علیؓ کی بہترین دلیل:

ایک مجوسی امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کے پاس تین مردہ سروں کی کھوپڑیاں تھیں، اس نے کہا، اے عمر! تمہارے صاحب (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں کہ جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین پر مرے گا وہ آگ میں جلایا جائے گا، اس مجوسی نے یہ آیت پڑھی:"النار یعرضون علیها غدوا و عشیا" صبح اور شام یہ لوگ آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ (کشف الرحمٰن)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان صحیح ہے، یہ سن کر اس مجوسی نے وہ تینوں سر نکالے اور کہا یہ سر میرے باپ کا ہے، یہ سر میری ماں کا ہے اور یہ سر میری بہن کا ہے، یہ تینوں مجوسی دین پر مرے ہیں، میں اپنا ہاتھ ان کی کھوپڑیوں پر رکھتا ہوں، تو مجھے گرمی محسوس نہیں ہوتی یعنی تمہارے پیغمبر کے قول کے مطابق ان کھوپڑیوں کو گرم ہونا چاہئے، کیونکہ یہ آگ پر پیش کی جاتی ہیں۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اپنے خادم کو بھیج کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلایا، جب حضرت علی تشریف لائے تو حضرت عمرؓ نے مجوسی سے کہا کہ اچھا اب تو ذرا اپنے اعتراض کو دہرا دیجئے، اس نے اعتراض دہرایا۔

اعتراض سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک لوہا اور پتھر منگوایا، جب حاضر کیا گیا تو آپ نے مجوسی سے کہا کہ تو اس لوہے اور پتھر پر ہاتھ رکھ کر بتا کہ گرم ہے یا سرد؟ مجوسی نے ہاتھ رکھ کر کہا، یہ تو سرد ہے، حضرت علیؓ نے پھر فرمایا اچھا تو لوہے کو پتھر پر مار، جب مجوسی نے لوہے کو پتھر پر مارا تو اس میں سے چنگاری نکل پڑی۔

اس پر حضرت علیؓ نے مجوسی کو مخاطب کر کے فرمایا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ٹھنڈے پتھر اور لوہے کے درمیان میں آگ پیدا کر دی ہے، اسی طرح وہ اس چیز پر قادر ہے کہ جن کھوپڑیوں میں تجھ کو گرمی محسوس نہیں ہوتی ان کے اندر گرمی پیدا کر دی ہو اور وہ تجھے محسوس و معلوم نہ ہو رہی ہو، یہ کھوپڑیاں جن کو تو سرد محسوس کر رہا ہے ان کو اللہ تعالیٰ اس طرح آگ پر پیش کرتا ہے کہ تو ان گرمی محسوس نہیں کرتا، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آگ میں جلتی رہتی ہیں، یہ بات سن کر مجوسی لا جواب ہو گیا۔ (موت اور قبر کے حیران کن واقعات اور جدید تحقیقات: ۳۲۶، ۳۲۷)

برزخ کے سلسلہ میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ :

ہم مسلمان ہیں اللہ رب العزت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ دے کر بھیجا ان تمام پر ایمان جازم، یقین پیہم رکھتے ہیں، عقل اسے تسلیم کرے یا نہ کرے، لہٰذا ہمارا عقیدہ ہے کہ قیامت قائم ہونے والی ہے، جنت اور جہنم برحق، حساب حق ہے، صراط حق ہے، اسی طرح برزخ اور عذاب قبر بھی برحق ہے، اگر کسی کو درندے بھی کھا جائے تو وہ برزخ سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا۔

عذابات قبر پر اکابرین کے تحقیقی دلائل:

حضرت علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ عذاب قبر کا ذکر قرآن وحدیث میں بہت جگہ آیا ہے، اس لیے یہ حق ہے اور دو فرشتوں کا مردوں سے سوال کرنا حق ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے۔

حضرت ابوعبداللہؒ کا بیان ہے کہ قبر کا عذاب حق ہے، اس سے وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو خود گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہو۔

علامہ قرطبی اور حافظ ابن قیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ زندیق، بے دین اور ملحد لوگ عذاب قبر، قبر کی تنگی اور کشادگی کا انکار کرتے ہیں اور ان کا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب ہم کسی قبر کو کھول کر دیکھتے ہیں تو نہ فرشتے مردے کو گرز سے مارتے ہوئے نظر آتے ہیں، نہ اس میں سانپ وغیرہ ہوتے ہیں اور نہ آگ نظر آتی ہے، مردہ اپنی اصلی حالت میں سویا رہتا ہے، جس حالت پر قبر میں سلایا گیا تھا اور قبر کا طول وعرض بھی وہی رہتا ہے جو دفن کرتے وقت تھا، اسی طرح سولی دیا گیا مردہ اور جانوروں کی خوراک بن جانے والا مردہ دونوں سے یہ سب سوال و جواب کب اور کیسے کیے جاتے ہیں؟ ان پر بے دینوں کا اعتراض ہے۔

علمائے حق نے اس کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی قادر ہے، اس نے مردوں کے احوال کو زندوں کی آنکھوں سے مخفی رکھا ہے، یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کہ فرشتے آتے جاتے ہیں، لیکن ہم ان کو نہیں دیکھ پاتے اور انبیاء علیہم السلام ان کو دیکھتے تھے، ان سے بات چیت کرتے تھے، بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے جاتے تھے، وحی کا القاء کرتے، آپ صلی اللہ

علیہ وسلم ان سے وحی لیتے اور حاضرین مجلس نہ ان کو دیکھتے تھے، اور نہ ان کی بات سنتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بصر و بینائی کی قوت ایک ایسی چیز ہے جو خدا کی قدرت میں ہے، انسان کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے، اور اللہ ہی کی قدرت ہے کہ کبھی بہت بڑے مجمع کو تھوڑا کر کے دکھا تا ہے اور تھوڑی سی جماعت کو بہت زیادہ پیش فرمادیتا ہے، چنانچہ قرآن میں واقعہ بدر کے متعلق ہے:"واذ یریکموھم اذا التقیتم فی اعینکم قلیلا و یقللکم فی اعینھم لیقضی اللہ امرا کان مفعولا"۔

''اور وہ وقت یاد کرو کہ جب تم بالمقابل ہوئے تو تمہاری آنکھوں میں دشمنوں کو تھوڑا دکھایا اور ان کی نگاہ میں تم کو زیادہ کر کے دکھایا تا کہ اللہ تعالیٰ کے اس کام کو پورا کرو، جس کا ہونا طے شدہ تھا''۔ (کشف الرحمٰن)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بدر کے دن کفار ہماری نگاہوں میں تھوڑا کر دیئے گئے، اسی دن کا واقعہ ہے کہ میں نے اپنے پاس کے ایک آدمی سے کہا کہ یہ کفار ہم کو ستر کی تعداد میں نظر آتے ہیں، اس نے کہا، نہیں، بلکہ وہ سو کی تعداد میں ہیں، لیکن جب ہم نے کفار کے ایک آدمی کو پکڑ کر پوچھا تو اس نے بتایا کہ ہزار کی تعداد میں تھے۔

اللہ کی قدرت کا کرشمہ بدر کے دن یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ شیطان لعین نے مسلمانوں کی طرف سے فرشتوں کو لڑتے ہوئے دیکھا اور کافروں نے فرشتوں کو نہ دیکھا، چناں چہ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ابلیس قبیلہ بنی مدلج کے ایک آدمی کی صورت میں شیاطین کے گروہ کے ساتھ گروہ کفار میں آیا، اس کے پاس ایک جھنڈا بھی تھا، ابلیس نے کفار کو ہمت دلاتے ہوئے کہا، آج تم پر کوئی جماعت غلبہ نہ پاسکے گی، کیوں کہ تمہارا پشت پناہ میں ہوں۔

اسی دوران میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ابلیس کی طرف متوجہ ہوئے، جب اس نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تو پیٹھ پھیر کر بھاگا اور اس کے ساتھ شیاطین کا گروہ بھی بھاگ گیا، کفار نے ابلیس کو (جو آدمی کی صورت میں تھا) آواز دی کہ تم تو ہماری مدد کرنے کو کہہ رہے تھے، کیوں بھاگتے ہو؟ ابلیس نے کہا کہ میں وہ چیز دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ (بیہقی)

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ عذاب قبر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''تم کو تصدیق کرنا چاہئے کہ قبر میں سانپ کاٹتے ہیں، لیکن ہم تم اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتے، کیوں کہ ہماری آنکھیں ملکوتی امور کے مشاہدے کی قوت نہیں رکھتیں، جو چیز آخرت سے تعلق رکھتی ہے وہ عالم ملکوت سے ہے، تم سوچو کہ صحابہ کرامؓ نزول جبرئیلؑ پر کس طرح ایمان لاتے تھے، حالانکہ انہوں نے مشاہدہ نہیں کیا تھا، بس وہ ایمان محض اس دلیل سے لایا کرتے تھے کہ اگرچہ ہم جبرئیلؑ کو نہیں دیکھتے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا مشاہدہ کرتے ہیں، اگر تم اس بات پر ایمان رکھتے ہو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کا مشاہدہ کرتے تھے، جن کا ہم نہیں کر سکتے، تو اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ قبر میں عذاب اور سوال و جواب برحق ہے، نیز جبرئیلؑ کو بغیر دیکھے ہوئے اور بغیر آواز سنے ہوئے اگر وحی کے نزول پر صحابہؓ کے ایمان کی طرح تم بھی ایمان لاتے ہو تو قبر کے حالات پر ایمان لانا اس سے آسان تر ہے۔ (احیاء العلوم)

حضرت امام غزالیؒ نے ایک دوسری مثال سے بھی عذابِ قبر کو ثابت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ایک شخص خواب کی حالت میں ہوتا ہے اور خواب میں سانپ دیکھتا ہے اور ڈستا ہوا دیکھتا ہے اور خواب میں ہی چیختا چلاتا ہے، کبھی اس کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے اور کبھی اپنی جگہ سے حرکت بھی کرتا ہے، سونے والا جو کچھ ایذاء پاتا ہے اپنی جان پر پاتا ہے، اور خواب میں اس کا مشاہدہ بھی کرتا ہے، حالاں کہ ہم اگر اس عالم میں سونے والے کو دیکھیں تو بالکل ساکن نظر آئے گا، نہ اس کے پاس کوئی سانپ نظر آئے گا، اور نہ کوئی دوسری چیز نظر آئے گی، خواب میں وہ جو تکلیف محسوس کرتا ہے جاگنے والے کو اگر نظر نہ آئے تو اسے سمجھ

لینا چاہئے کہ قبر میں مردے پر پڑتی ہے، اس کے ادراک سے زندوں کی نگاہیں عاجز ہیں، وہ ایک دوسرے عالم میں ہوتا ہے، اس عالم کے حالات کو زندوں کی نگاہوں سے مخفی رکھا گیا ہے، اور اس کے مخفی رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ (احیاء العلوم)

حضرت امام غزالیؒ نے ایک تیسرا طرز بھی اختیار کیا ہے اور یہ بھی عذاب قبر کو ثابت کرتا ہے، آپؒ فرماتے ہیں کہ ''سانپ بذات خود ایذا نہیں پہچاتا، بلکہ وہ زہر ایذا دیتا ہے جو سانپ سے تم کو پہنچتا ہے اور پھر بذات خود زہر موذی نہیں ہے، بلکہ موذی وہ اَلم و تکلیف ہے جو زہر سے تم کو پہنچتی ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اصل ایذاء تو وہ ہے جو کہ سانپ کے کاٹنے سے پہنچتی ہے، اگر یہی اثر بغیر سانپ کے کاٹنے کے اور بغیر زہر کے حاصل ہو جائے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، لیکن اگر اس اثر کو بیان کیا جائے تو اسی وقت انسانوں کی سمجھ میں آسکے گا، جب کہ اس کو کسی سبب کی طرف منسوب کر کے بیان کیا جائے، مثلاً یہ کہا جائے کہ فلاں کو اتنی تکلیف پہنچی، جیسے اس کو سانپ، بچھو نے کاٹ کھایا ہو، لیکن اصل تکلیف تو وہ ہے جس کو نہ ہماری آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ ہم اس کا ادراک کر سکتے ہیں؛ اسی طرح عذاب قبر کا حال ہے کہ ہم اس کے ادراک سے عاجز و بے بس ہیں۔'' (احیاء العلوم)

حضرت حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح میں عذاب قبر کو ثابت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں وہ وہ مناظر پیدا کر دیئے ہیں کہ عذاب قبر سے بھی زیادہ عجیب وغریب ہیں، مثلاً حضرت جبرئیلؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتے، کبھی آپ ان کو نہ دیکھتے نہ سنتے اور کبھی انسان کی شکل میں آتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کلام کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھنے والے بھی سن لیتے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ قریب والے ان کی آواز نہ سنتے، نہ ان کو دیکھتے، کبھی کبھی جرس کی آواز کی طرح وحی آتی لیکن اس کی آواز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا حاضرین میں سے کوئی نہ سنتا، یہ نوری مخلوق (جنات) ہمارے درمیان زور زور سے بات چیت کرتے ہیں؛ لیکن ہم ان کی باتوں کو نہیں سنتے، بعض موقعوں پر فرشتے کفار کو کوڑوں سے مارتے تھے، ان کی گردنیں مارتے تھے اور ان کو ڈانٹتے تھے، لیکن صحابہؓ وہاں موجود رہتے ہوئے بھی نہ فرشتوں کو دیکھتے تھے اور نہ ان کی باتیں سنتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کے بہت سے حوادث کو بنی آدم سے چھپا کر رکھا ہے، ذرا غور کیجئے! جبرئیلؑ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن شریف کا دور کرتے لیکن حاضرین مجلس نہیں سنتے، جو شخص اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کا قائل ہوگا، وہ اس بات کا بھی قائل ہوگا کہ وہ ایسے حوادث پیدا کر سکتا ہے اور کرتا ہے جس سے مخلوق کی نگاہوں کو باز رکھے، اس میں بھی اس کی کوئی حکمت ہے اور انسانوں کے لیے سراسر رحمت ہے، کیوں کہ بندوں کی سماعت وبصارت اتنی کمزور ہے کہ ان حوادث کا ادراک کر کے بھی صحیح سالم نہیں رہ سکتی۔

قبر کے احوال کو بعض لوگوں پر ظاہر کر کے اس کی تصدیق آسان فرما دی ہے، چناں چہ جن لوگوں نے قبر کے احوال کو سنا، ان میں سے بہت سے بیہوش ہوگئے، ان پر غشی طاری ہوگئی اور تھوڑی دیر زندہ رہ کر زندگی سے متمتع نہ ہو سکے، بعض کا پردۂ قلب پھٹ گیا اور مر گئے، اللہ تعالیٰ نے یہ پردہ بڑی حکمت سے رکھا ہے اور یہ بندوں پر بڑا رحم وکرم ہے، قبر کی وسعت وتنگی کے بارے میں بھی جو لوگ شک رکھتے ہیں وہ محض جہالت کی وجہ سے ہے، جب ہم خود اس پر قادر ہیں کہ ایک قبر اندر اندر دس بیس گز چوڑی کر دیں اور اوپر سے لوگ اس کو نہ دیکھ سکیں تو پھر رب العالمین اور قادر مطلق اس سے عاجز کس طرح ہو سکتا ہے؟ وہ ذات اقدس جس پر چاہے اور جس قدر چاہے قبر کشادہ یا تنگ کر دے اور لوگوں کی نگاہوں سے اس وسعت وتنگی کو مستور ومخفی رکھے۔

الغرض قبر کی فراخی وتنگی اور روشنی وشادابی اور آگ وغیرہ کا عالم دنیا کے معروف عالم سے الگ ہے، اس لیے اس پر قیاس نہ کرنا چاہئے، قبر میں سبزہ، پھول یا آگ وغیرہ ایسے نہیں ہیں جو دنیا میں ہیں، اس لیے

زندوں کو اس کا احساس نہیں ہوسکتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے کہ قبر کی مٹی کو یا پتھروں کو اس قدر گرم کردے کہ دنیا کی آگ سے زیادہ اور دنیا کے انگاروں سے زیادہ گرم ہوجائے یا مٹی کو اس قدر خوشگوار کردے کہ چمن کی راحت حاصل ہوجائے۔

یہ تو قبر کی بات ہے، ہم تو اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ اگر میت لوگوں کے سامنے رکھی ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ بھی ہے کہ دو فرشتوں کو بھیج کر اس سے سوال کرے اور میت ان کو جواب دے اور ان کے سوال و جواب کو حاضرین نہ سن سکیں، فرشتے اس کو ماریں اور حاضرین کو اس کا پتہ نہ ہوسکے، جس طرح ایک سونے والا اگر خواب میں اذیت پاتا ہے تو ہم اس کے پاس ہوتے ہوئے بھی بے خبر رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بھی بعید نہیں ہے کہ قبر کی مٹی اور پتھروں کو شق کر کے فرشتے داخل ہوجائیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پتھر کو فرشتوں کے لیے ایسا ہی لطیف کردیا ہے جیسے ہوا کو پرندوں کے لیے سہل کردیا ہے، پتھر مادی جسم والوں کے لیے روک بن سکتے ہیں، لیکن ارواح لطیفہ کے لیے روک نہیں بن سکتے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے ان احوال کو پوشیدہ رکھا ہے، اپنے بعض بندوں پر ظاہر فرمادیتا ہے، لیکن تمام لوگوں پر ظاہر کرنا حکمت کے موافق نہیں ہے، ایمان بالغیب بھی تو ضروری ہے اور یہ اسی طرح حاصل ہوگا جب کہ ان چیزوں کو پوشیدہ رکھا جائے، مزید یہ بھی مصلحت ہے کہ اگر یہ امور ظاہر ہوجائیں تو لوگ دفن کرنا چھوڑ دیں، جیسا کہ حدیث شریف میں گذر چکا ہے:

''کہ اگر اندیشہ نہ ہوتا کہ تم لوگ اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ عذاب قبر کو جس طرح میں سنتا ہوں، اسی طرح تم کو بھی سنادے''۔

اور چوں کہ بہائم کے بارے میں یہ حکمت نہ تھی، اس لیے ان کو سنادیا گیا، جیسا کہ یہ واقعہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار ہوکر ایک قبر کے پاس سے گذرے تو چوں کہ مردے کو عذاب دیا جارہا تھا، اس لیے وہ اس قدر بھڑکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی پشت سے گرتے گرتے بچے۔ (موت اور قبر کے حیران کن واقعات اور جدید تحقیقات: ۳۲۸ تا ۳۳۳)

برزخ کا ذکر احادیث مبارکہ میں:

برزخ کا تذکرہ بے شمار روایتوں میں صراحت کے ساتھ موجود ہے، ہم اختصار کے ساتھ یہاں کچھ رویتوں کا خلاصہ بیان کریں گے، انشاءاللہ! ورنہ ایک صاحب نے سعودی میں مستقل "احادیث البرزخ فی الکتب التسعة" میں ۶۰ر حدیثیں پوری تحقیق وتخریج اور تشریح کے ساتھ برزخ پر جمع کی ہے۔

(۱) سب سے پہلی روایت تو وہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فجر کے بعد سوال کیا کہ تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے اور پھر مختلف گناہگاروں کو برزخ میں ہورہے عذاب کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ (بخاری کتاب الجنائز باب ما قیل فی الاولاد المشرکین)

امام بخاری نے ایک روایت نقل کی ہے کہ عمرو ابن میمون الاودی فرماتے ہیں کہ حضرت سعد اپنے بچوں کو ایک دعا بڑے اہتمام سے سیکھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد اس دعا کو پڑھا کرتے تھے، وہ دعا یہ ہے: "اللّٰھم انی اعوذبك من الجبن و اعوذبك ان ارد الی ارذل العمر و اعوذبك من فتنة الدنیا و اعوذبك من عذاب القبر"۔ (بخاری کتاب الجنائز)

اس دعاءِ ماثور میں ایک جملہ "و اعوذبك من عذاب القبر" ہے، ظاہر سی بات ہے جب عذاب قبر ثابت ہے تبھی تو پناہ مانگی جارہی ہے، اور وہ بھی پابندی کے ساتھ۔

(۲) ایک اور روایت میں ہے: "اللّٰھم انی اعوذبك من العجز و الکسل و الجبن و الھرم و البخل و اعوذبك من عذاب القبر و من فتنة المحیا و الممات"۔ (بخاری کتاب الجھاد باب ما یتعوذ من الجبن)

(۳) حضرت انس سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم بنونجار کے کسی کھجور کے باغ میں داخل ہوئے تو آپ نے اچانک کوئی آواز سنی تو پوچھا "من اصحاب هذه القبور" ان قبروں میں کون مدفون ہیں؟ تو صحابہ کرام نے جواب دیا کہ چند وہ لوگ جو زمانہ جاہلیت میں وفات پاگئے تھے، تو آپ نے صحابہ کو مخاطب ہوکر کہا: "تعوذوا من عذاب النار و من فتنة الدجال" تو صحابہ نے عرض کیا، آپ کی اس بات کو ان قبروں سے مناسبت؟ تو پھر آپ نے ارشاد فرمایا: "ان المومن إذا وضع فى القبر اتاه ملك....." معلوم ہوا، قبر میں سوال جواب ہوں گے اور عذاب یا نعمت یہیں سے شروع ہو جائے گا، الی آخرہ۔ (بخاری کتاب الجنائز باب المیت یسمع خفق النعال)

حیات برزخ کا انکار کرنے والے فرقۂ باطلہ:

جب قرن اول کے اواخر میں لوگوں نے نقل کے مقابلہ عقل کو ترجیح دی اور امور شرعیہ ثابتہ بالکتاب والسنۃ کو عقل کے میزان پر پرکھا جائے گا، تو مسلمانوں میں نئے نئے فرقے وجود میں آنے لگیں گے، وہ جنہوں نے غیبات تک کو عقل پر پرکھنے کی جسارت کرڈالی اور جادۂ حق سے ہٹ گئے، برزخ اور عذاب قبر کا انکار کرنے والے قدیم و جدید فرقے یہ ہیں: معتزلہ، خوارج، جہمیہ، اہل قرآن یعنی منکرین حدیث، روافض۔ (الفصل فی الملل والنحل وغیرہ)

پھر ان میں بھی اختلاف ہے، بعض صرف بدن پر وقوع عذاب کے قائل ہیں، مثلاً اکثر فرقہ معتزلہ اور روح پر وقوع عذاب کے منکر، بعض صرف روح اور وہ بھی صرف کافروں کی روحوں پر وقوع عذاب کے قائل ہوئے، مثلاً ابوعلی جبائی، بعض مطلقاً روح پر وقوع عذاب کا قائل ہیں اور بدن پر نہیں، محمد ابن حزم بعض معتزلہ وغیرہ اور بعض کلیۃ روح اور بدن دونوں پر وقوع عذاب کے منکر ہیں۔

حیات برزخ شریعت اور عقل کی کسوٹی پر:

شریعتِ مطہرہ نے قرآن وحدیث میں مختلف مقامات پر صراحۃً و اشارۃً برزخ کا ذکر کیا ہے، جب قرآن وحدیث نے (جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا) اس کو ایک عقیدہ کے طور پر بیان کیا ہے، تو کیا وجہ ہوسکتی ہے اس کے انکار کی؟

قرآن نے صاف وشفاف الفاظ میں کہا: "و من ورائهم برزخ الى يوم يبعثون" جہاں کوئی تاویل اور توضیح کی ضرورت نہیں تو آخر ایک مومن کے لیے جو کتاب اور سنت رسول پر ایمان رکھتا ہے، یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے، دعویٰ ایمان کے بعد بھی محض عقل سے ماوراء ہے کہہ کر انکار کردے، تب تو وہ مومن باللہ نہیں رہا بلکہ متبع و مومن بالعقل ہوگیا، لہٰذا اس کا دعویٰ ایمان باللہ والرسول پر سوالیہ نشان قائم ہوجائے گا، عقل مومن کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ یہ سوچے کہ جب انسان دارفانی سے دار باقی کی طرف رحلت کرے، کیا قیامت تک کا عرصہ وہ ایسے ہی بیکار رہے گا، ہرگز نہیں، ضرور موت سے لے کر قیامت تک کے مرحلہ میں کوئی اور منزل ہوگی، جہاں اس کی ابدی زندگی کے آغاز کا فیصلہ کیا جانا ہوگا، ظاہر ہے اسی موت و قیامت کے درمیان کی زندگی کو برزخ کہا گیا، معلوم ہوا کہ شریعت کے ساتھ ساتھ عقل مومن بھی برزخ کی متقاضی ہے۔

برزخ عقل کی کسوٹی پر:

صرف عقل مومن ہی نہیں بلکہ انسان اگر ٹھنڈے دل سے غور کرے اور اس کی پاس عقل سلیم ہو تو وہ برزخ کی ضرورت محسوس کرے گا، کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جب کوئی اچھا کرتا ہے تو پہلے اسے خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے، داد دی جاتی ہے، اس کے بعد جسے انعام دینا ہو دیتا ہے، بس اسی طرح انسان اگر صحیح خطوط پر زندگی بسر کرے، تو اسے بھی تحسین ملنی چاہئے، بس یہی تحسین اور داد برزخ اور جنت انعام، اسی طرح اگر کوئی برائی کرے تو پہلے لوگ اس کو برا بھلا کہتے ہیں اور بعد میں سزا ہوتی ہے، بس اسی طرح برزخ میں برائی پر عذاب قبر اسی کے مانند ہے، پروفیسر ڈاکٹر نور محمد سابق پرنسپل نشتر میڈیکل کالج ملتان تحریر کرتے ہیں:

قبر و حشر کی باتیں اور آج کا ماحول:

دنیا میں ہر قسم کے لوگ ملتے ہیں مگر موت کا منکر کوئی نہیں ملتا، دنیا

میں آنے والا ہر شخص موت کو برحق سمجھتا ہے کیوں کہ یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ دنیا کی ہر چیز چاہے وہ جان دار ہے یا بے جان، فنا کی طرف رواں دواں ہے، موت کے بعد انسان کے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے، قبر میں اس کا کیا حال ہوگا اور پھر یوم حساب کو یہی انسان کیونکر دوبارہ اٹھ کھڑا ہوگا، یہ ایسی باتیں ہیں جو ہمارے مشاہدے میں نہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں مبعوث ہونے والے ہر نبی علیہ السلام نے اور سب سے آخر میں خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب مراحل کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا، قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے بار بار ان کا ذکر فرمایا، موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر اور یوم حساب پر دل سے ایمان لانا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، آج کل کے ماحول میں اگر کسی سے قبر وحشر کی بات کی جائے تو اول تو وہ سنتا ہی نہیں اگر سنتا ہے تو توجہ نہیں دیتا یا پھر ایسا تأثر ملتا ہے کہ گویا یہ قبر وحشر کا معاملہ کسی دوسرے کے ساتھ پیش آنا ہے۔ (مرنے کے بعد زندہ ہونے والوں کے حیرت انگیز واقعات: ۲۹۸)

برزخ پر ایمان اور حیات انسانی پر اس کا اثر:

برزخ پر ایمان کا اثر حیات انسانی پر بڑا زبردست ہوتا ہے، کیوں کہ جب اسے معلوم اور یقین ہوگیا کہ برا کروں گا تو آنکھ بند ہوتے ہی مصیبت اور عذاب میں پھنس جاؤں گا، تو وہ برائی کرنے سے کترائے گا اور خوف وخشیت کی وجہ سے نہ کسی سے بدسلوکی کرے گا، نہ کسی کا حق دبائے گا، نہ کسی پر ظلم کرے گا، گویا معاشرے میں امن و امان، صلاح و بھلائی وجود میں آئے گی اور انفرادی واجتماعی برائیوں کا سد باب ہوجائے گا۔

قرآن کریم نے متقین کے اوصاف کو سورۂ بقرہ کے آغاز ہی میں بیان کیا ہے، جس میں ایک "یؤمنون بالغیب" ہے، لہٰذا ایمان بالغیب کا تقاضا یہ ہے کہ عذاب قبر پر بھی ایمان لایا جائے اور اس میں کسی طرح کا شک وشبہ نہ کیا جائے کیونکہ اللہ پر کوئی چیز بھاری نہیں، یہ مومن کا اعتقاد ہے؛ لہٰذا حیات برزخ سے بندے کو دوچار کرنا بھی اللہ پر بھاری نہیں۔

حیات برزخ سے متعلق چند ضروری امور:

حیات برزخ میں روح کا تعلق بدن کے ساتھ برقرار رہتا ہے اگرچہ روح آسمان پر ہوتی ہے، ایسے ہی جیسے سورج تو آسمان پر مگر اس کی روشنی زمین پر گرتی ہے، گویا عذاب میں دونوں مبتلا ہوتے ہیں، یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔ (امام حجر عسقلانی فتح الباری: ۳/۲۳۳، اور ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی: ۴/۲۶۲)

ابن القیم فرماتے ہیں روح اور بدن کے تعلق کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) ماں کے پیٹ میں

(۲) روح کا تعلق بدن سے زمین پر دنیاوی زندگی میں

(۳) نیند کی حالت میں کچھ تعلق ہوتا ہے اور کچھ نہیں ہوتا

(۴) روح کا تعلق برزخ میں اگرچہ دونوں جدا ہوتے ہیں مگر تعلق ہوتا ہے۔

(۵) قیامت کے دن تمام تعلقات میں سب سے مضبوط اور مستحکم تعلق ہوگا۔ (الروح: ۱/۴۴)

مومن صالح کو جو قبر دبوچتی ہے وہ بر سبیل عذاب نہیں ہوتا ہے، اسی لیے مومن صالح کو اس کی تکلیف زیادہ نہیں ہوتی، بس اتنی جتنی کہ اس کو بخار وغیرہ میں محسوس ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے حضرت سعد ابن معاذ انصاری کی وفات پر جب انہیں قبر میں رکھا گیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لقد ضم ضمة ثم فرج عنه" (سنن النسائی) امام ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ عذاب قبر کے طور پر نہیں تھا۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/۲۹۰)

انسان کی روح کو مرنے کے بعد اس کے بدن میں لوٹا دی جاتی ہے تاکہ منکر نکیر کے سوالات کے جوابات دے سکے، جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے، ایک روایت میں ہے: "ان المیت اذا وضع فی القبر فیأتیه ملكان فیجلسانه فیقولان له مَن ربك" (صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ما جاء فی عذاب القبر وصحیح مسلم باب عرض مقعد المیت من الجنۃ او النار وابوداؤد المسألۃ فی القبر، ترمذی کتاب تفسیر

القرآن، ابن ماجہ باب ماجاء فی الجنائز ومسند احمد)۔

عام طور پر مومن کو عذاب قبر پاکی اور استنجاء میں بے احتیاطی، غیبت، چغلی وغیرہ اعمال کی وجہ سے ہوتا ہے ”یعذبان و ما یعذبان فی کبیر ثم قال بلی کان احدھما لا یستبرء من بولہ و الآخر یمشی بالنمیمة“ (البخاری کتاب الوضوء، ومسلم کتاب الطہارۃ، و الترمذی کتاب الطہارۃ والنسائی فیہ، ابن ماجہ، دارمی، احمد)

بعض اعمال احادیث میں ایسے وارد ہوئے ہیں کہ اس کے کرنے سے مومن عذاب قبر سے محفوظ ہو جاتا ہے، مثلاً سورۂ ملک ہر رات تلاوت کرنا، حدیث میں ہے: ”ھی المانعة ھی المنجیة تنجیه من عذاب القبر“ یعنی سورہ ملک کی تلاوت عذاب قبر سے نجات دلاتی ہے، عذاب قبر مومن پر عارضی ہوتا ہے اور کافر پر دائمی ہوتا ہے، ابن القیم اور مناوی رحمہما اللہ نے احادیث کی شرح کرتے ہوئے اس پر کلام کیا ہے۔ (الروح:۱/۸۹، فیض القدیر:۴/۱۶۹)

مومنین کی روحیں جنت میں مختلف درجات میں ہوتی ہیں کسی کو اعلی علیین جیسا کہ حدیث اسراء ومعراج میں انبیاء کے بارے میں وارد ہوا ہے، کتاب الروح میں ابن القیم نے تفصیل سے کلام کیا ہے۔ (۱/۱۱۵)

مثلاً انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کسی کی پرندوں کے پنجروں میں، کسی کی قبر ہی میں، کسی کی باب جنت پر وغیرہ وغیرہ جیسا کہ حدیث میں ہے ” انما نسمة المومن طائر یعلق فی شجر الجنة“۔ (ترمذی فضائل الجہاد، النسائی جنائز، ابن ماجہ، احمد)

جمعہ کے دن کی موت سے عذاب قبر اٹھ جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: ”ما من مسلم یموت یوم الجمعة او اللیلة الا و قاہ اللہ فتنة القبر“ (ترمذی ومسند احمد)

اللہ کے راستہ میں شہادت سے بھی مسلمان کے قبر سے عذاب رفع کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: ”ان للشھید لہ عندہ اللہ عزوجل ان یغفر لہ فی اول دفعة........ و یجار من عذاب القبر“۔ (مسند احمد، حدیث نمبر ۱۷۲۲۱، ترمذی کتاب فضائل الجہاد باب ثواب الشہید، سنن ابن ماجہ باب فضل الشہادۃ)

بعض بیماریوں اور آفتوں میں انتقال کرنے سے بھی مومن سے عذاب قبر اٹھا دیا جاتا ہے، مثلاً روایت میں ہے: ”الشھداء سبعة الغرق شھید و المبطون شھید وغیرہ“۔ (ابوداؤد کتاب الجہاد، نسائی، احمد، موطا)

یعنی پیٹھ کی بیماری میں اسی طرح ڈوب کر مرنے والا، جل کر مرنے والا، دب کر مرنے والا، اور عورت جب کہ ولادت کے وقت انتقال کر جائے تو عذاب قبر اٹھا دیا جاتا ہے کیونکہ یہ بھی شہادت میں شامل ہے۔

بندہ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو احادیث میں ہے کہ تھوڑی دیر کھڑے ہو کر اس کے لیے دعا کرنی چاہئے جس سے میت پر برزخ کا ابتدائی مرحلہ جو سوال و جواب کی صورت میں ہوتا ہے آسان ہو جاتا ہے، حدیث میں ہے: ”استغفروا لاخیکم و سلوا لہ التثبیت فأنه الآن یسأل“۔ (ابوداؤد کتاب الجنائز باب الاستغفار عند القبر)۔

میت پر اہل خانہ کو نوحہ نہیں کرنا چاہئے، کیوں کہ حدیث میں ہے کہ: ”انه من نیح علیه یعذب بما نیح علیه“۔ (البخاری کتاب الجنائز، مسلم، ترمذی، واحمد) یعنی میت پر چیخنا، چلانا اور کپڑے وغیرہ پھاڑنا جاہلیت کا طریقہ ہے، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، بلکہ اس سے میت کو قبر میں تکلیف پہنچتی ہے، لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

قبر پر ہری بھری سبز ٹہنی گاڑ دینے سے بھی برزخ کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے، جیسا کا حدیث میں ہے: ”لعله ان یخفف عنھما ما لم ییبسا او الی ان ییبسا“۔

امام طبریؒ نے سدی سے نقل کیا ہے کہ زندوں اور مردوں کی روحوں میں بھی ملاقات ہوتی ہے جیسا کہ زندے خواب میں مردوں کو دیکھتے اور ملتے ہیں۔ (تفسیر طبری:۲۴/۹، الروح:۱/۲۱)

زندہ جب برزخ کے مردے کو سلام کرتا ہے تو وہ سنتا ہے اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مشروع قرار دیا ہے، ابن قیمؒ فرماتے ہیں اگر مردہ نہ سنتا تو کبھی بھی سلام مشروع نہ ہوتا۔ (الروح:۱/۵) اور سلام یہ ہے: ”السلام علیکم اھل الدیار من المؤمنین و المسلمین و انا ان

شاء اللہ بکم لاحقون انتم لنا فرط و نحن لکم تبع اسئل الله العافیة لنا و لکم"۔(مسلم کتاب الجنائز والنسائی وابن ماجہ ومسند احمد)

حیات برزخ میں مردوں کی روحیں آپس میں ایک دوسرے سے ملتی ہیں اور بعد میں جانے والی روحیں پہلے جانے والوں کو ان کے رشتہ داروں کے احوال بیان کرتی ہے، جیسا کہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:"ان ارواح المؤمن تلتقی"(مسند احمد حدیث:۷۰۴۸)

یہ تمام وہ امور ہیں جو احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں، لہٰذا ان تمام پر ہمارا ایمان ہونا چاہئے، اللہ رب العزت ہماری دنیا، برزخ اور آخرت کی تمام زندگیاں عافیت اور سلامتی کے ساتھ گذارے، عذاب قبر سے عذاب نار سے اور فتنۂ دنیا سے ہماری پوری حفاظت فرمائے اور ہم سب کو بھلائی کی توفیق عطا فرما کر ہم سے راضی ہو جائے آمین یارب العالمین!۔

رسید کتب

مرکز احیاء الفکر الاسلامی کو مولانا جمیل الرحمٰن ندوی نے فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور کی جانب سے مندرجہ ذیل کتب ارسال فرمائیں جس پر ادارہ کے اراکین وذمہ دار حضرات مولانا جمیل الرحمٰن صاحب اور فرقانیہ اکیڈمی کے ذمہ داران کا شکریہ ادا کرتے ہیں:

(۱) قرآن عظیم کے دلائل ربوبیت اور جدید علم کلام کی حقیقت واہمیت
صفحات:۸۵؍

(۲) قرآن عظیم کا نظام دلائل اور ملت اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ
صفحات:۱۵۵

(۳) میری علمی زندگی کی داستان عبرت صفحات:۱۷۸

(۴) تعدد الزوجات (عربی) صفحات:۵۷

مصنف: امام محمد شہاب الدین الندوی

(۵) علامہ محمد شہاب الدین ندویؒ صفحات:۲۷۵

مؤلف: حافظ جمیل الرحمٰن ندوی

ناشر: فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور (یوپی)

امانت اور عہد کی پابندی

"وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ" اللہ تبارک وتعالی نے ایسے لوگوں کو فلاح پانے کی خوشخبری سنائی ہے، جو اپنی امانتوں اور اپنے قول وقرار کی پاسبانی کرتے ہیں، یہ شعبہ آج ہمارا انتہائی حد تک کمزور ہے، آپس کے معاملوں میں جو اخلاقی جو ہر مرکزی حیثیت رکھتا ہے وہ دیانت، امانت اور وعدوں کی پاسداری ہے، امانت کا دائرہ صرف روپیہ، پیسہ، جائیداد اور مالی اشیاء تک محدود نہیں، مختصراً اگر کسی کا حق ادا کرنا امانت ہے تو کسی کا کوئی بھید یا راز ہم کو معلوم ہے اس کا چھپانا بھی امانت ہے، کسی مجلس میں ہم ہوں تو اس مجلس کی باتوں کو اپنے تک محدود رکھنا بھی امانت ہے، اگر کسی نے ہم سے مشورہ مانگا تو اس کو سن کر اپنے تک ہی محدود رکھنا اور اس کو صحیح مشورہ دینا بھی امانت ہے، اگر کسی نے ہم پر بھروسہ کرتے ہوئے کوئی بات کہی تو اس کے بھروسے اور اعتماد کو باقی رکھنا بھی امانت ہے۔

اگر کوئی شخص ملازم ہے تو ملازمت کی شرائط کو پورا کرنا بھی امانت ہے، مجلس میں جو باتیں ہوں وہ امانت ہیں، ایک جگہ کی بات دوسری جگہ پہنچا کر فتنہ پیدا کرنا یہ امانت کے خلاف ہے، الا یہ کہ اس سے کسی فتنے کو روکنے کا کام لیا جائے، اگر کوئی شخص اپنے کسی کام کا اہل بتا کر کوئی کام حاصل کرے مگر حقیقت میں وہ اس کا اہل نہیں ہے تو یہ بھی امانت کے خلاف ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں، جس کا کوئی عہد نہیں اس میں دین نہیں" وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا" اور عہد کو پورا کرو، بے شک عہد کی باز پرس ہوگی، اس لیے تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ عہد اور امانت کا پورا پورا خیال رکھیں، اگر کسی شخص کے ساتھ عہد یا امانت کے سلسلہ میں کوئی معاملہ پیش آئے تو خدا کو حاضر وناظر سمجھ کر پورا کرنے کی کوشش کریں۔

(ماخوذ: ڈاکٹر غلام کریم حیات وخدمات صفحہ ۳۷)

محاسبہ

ذرا اپنی خبر لیجئے!

مولانا محمد مسیح اللہ ندوی گورکھپوری

آج جب ہم معاشرے پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمارے لیے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ ہر انسان اپنے مفاد کے لیے سرگرم ہے، ہر ایک کو اپنی ہی فکر ہے، جدھر دیکھئے ادھر لوٹ مار کا بازار گرم ہے، امانت و دیانت کا جنازہ نکلا جارہا ہے، ہر شخص اپنی دوکان چمکانے میں لگا ہوا ہے، چاہے وہ جس طریقے سے ہو، حلال وحرام کی تمیز باقی نہیں رہی، عفت وعصمت کا پاس ولحاظ نہیں رہا، جدھر دیکھئے ادھر خرافات، فسادات، تخریب کاری عام ہے، کوئی کسی کا پرسان حال نہیں رہا، سب کو اپنی پڑی ہے، دوسروں کا درد، دوسروں کی عزت کا خیال نہیں اور دوسروں کا پاس ولحاظ نہیں۔

یہ سب ایسی خرابیاں ہیں جو ہمارے معاشرے میں ایک دم سرایت کرگئی ہیں اور گھن کی طرح ہمارے معاشرے کو کھائے جارہی ہیں مگر ذرہ برابر ہمیں اس کا احساس نہیں ہورہا ہے، جب کہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ ساری خرابیاں ہمارے معاشرے کی اچھائیوں اور بھلائیوں کو یکسر پامال کررہی ہیں، پھر بھی ہم اپنے اس عمل کو کئے جارہے ہیں، یہی نہیں بلکہ اس عمل کو انجام دینے میں پڑھے لکھوں کا طبقہ بھی ملوث ہوتا نظر آرہا ہے۔

حیرت کا مقام ہے کہ جو قوم کے لیے رہنما بنائے گئے ہیں، جو دین کی خدمت کے لیے مامور ہیں، جو بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے والے ہیں جو اچھی اور بری چیز کے درمیان فرق کرنے والے ہیں، جو دوسروں کے احترام کا درس دینے والے ہیں وہ بھی اس مرض مہلک میں مبتلا ہوچکے ہیں، جن کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے "العلماء ورثة الانبياء" کا خطاب دیا ہے اور نبیوں کی وارثت کی سرٹیفکیٹ عطا کی ہے، مگر انھوں نے اپنے آپ کو تبدیل کرلیا، بالکل اپنے آپ کو بدل لیا ہے، اپنا طور وطریقہ، اپنا آئیڈل، اپنا رہن سہن مغربیت کے سانچے میں ڈال کر اپنے نفس کو تھپکیاں دے رہے ہیں اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم جو کچھ کررہے ہیں وہ ٹھیک کررہے ہیں، حالانکہ جن صفات سے انہیں متصف ہونا چاہئے تھا، ان صفات سے بالکل خالی وعاری نظر آرہے ہیں۔

ذرا تھوڑی دیر کے لیے صحابہ کرام کے دور کا جائزہ لیجئے تو آپ کو اندازہ ہوجائیگا کہ وہ کن صفات سے متصف تھے، وہ کن خوبیوں کے مالک تھے کہ جن کی بدولت وہ دشمنوں کو دوست بنا لیتے تھے اور لشکر جرار کو شکست فاش دیا کرتے تھے، اگر ہم بھی انہی جیسا اپنے آپ کو پیش کریں، انھیں کے طور وطریقے پر چلیں اور نبی کے اسوہ حسنہ کو اپنا آئیڈیل بنائیں تو یقیناً ہم دونوں جہاں میں سرخرو ہوں گے؛ لیکن اگر ہم ان صفات سے خالی وعاری ہیں تو ہماری حالت آپ کے سامنے ہے جیسا کہ آپ روز اخباروں میں نیوز چینل پر دیکھ رہے ہوں گے کہ ظلم وستم کا پہاڑ صرف مسلمانوں پر توڑا جارہا ہے، ہر طرف ذلت ورسوائی کا سامنا صرف مسلمانوں کو ہے، ہر طریقے سے انہیں ستایا جارہا ہے، ہر حربہ ان کے خلاف اپنایا جارہا ہے، کب کون کس وقت کس جرم میں گرفتار کرلیا جائے یہ نہیں معلوم، مسلمانوں سے بیجا بازپرسی کراکر اقبال جرم کرالیا جائے اور جرم کی سزا میں کال کوٹھری میں ڈال دیا جائے اور مرتے دم تک وہ مصیبتوں اور پریشانیوں کو جھیلتا رہے، اس لیے میں

آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آخرایسا کیوں ہورہا ہے،صرف مسلمانوں کوہی نشانہ بنایا جارہا ہے،تواس کا جواب بھی سن لیجئے ’’کنتم خیرامت اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتومنون بالله‘‘ جن کو خیرامت کا خطاب مل ہے، جونبیوں کے وارث ہیں،ذرا آپ ان کی حرکتوں کو دیکھئے اور آپ ان کی حالات کا جائزہ لیجئے تو بہت کم ہم میں سے ہونگے جوسنت نبوی پرعمل پیراہیں بلکہ ان کے اعمال وکرتوت،حرکات وسکنات بالکل صحابہ کرام کے مخالف ہیں جب ہمارے اندروہ چیزیں نہیں رہی تو ہم کیسے کامیاب ہوسکتے ہیں، ظاہر ہےاس کا وبال خود ہمارے اوپر آئے گا۔

ایک بات میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کون ہے جودوسروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھے،کون ہے دوسروں کے کام آئے اوردوسروں کے غم کو اپنا غم تسلیم کرے؛ بلکہ یہ بات توروز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہر بڑی چیز چھوٹی چیز کو کچلنا اورروندنا چاہتی ہے، ہرطاقت ورکمزورکو کھائے جارہا ہے، ہراعلی ادنی کوذلیل وخوار سمجھتا ہے،آج اس امت کی جو حالت ہے اورجس مرض مہلک میں مبتلا ہے اورجس راستے پر چل رہی ہے اورجن عادتوں واطوار سے متصف ہے اورجن رسوم وبدعات کی دہلیز پر کھڑی ہے،اگران کا طوروطریقہ یوں ہی باقی رہا تو وہ دن دورنہیں کہ جب مسلمانوں کومسل کررکھ دیا جائے گا اوران کے نام ونشان اس طرح مٹادیئے جائیں گے کہ جس طریقے سے دیگر قوموں کا حال ہوا۔

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

ذرا آپ اپنی اوراپنے گھر کی پھراپنے معاشرے اورسماج کی خبر لیجئے تو آپ کو پتہ لگ جائے گا کہ آپ کتنے پانی میں ہیں،اگرآپ نمازی ہیں تو آپ کی اولاد بے نمازی،اگرآپ متقی وپرہیزگار ہیں تو آپ کی اولاد بری وبدکردار ہے،اگرآپ سنجیدہ صفت انسان ہیں توآپ کی اولاد فسادات وخرافات کی سمندرمیں ڈوبی ہوئی ہے، اگرآپ کا وضع قطع درست ہےتو آپ کی اولاد کے اندرمغربیت کی جھلک اورشیطان جیسا حلیہ اپنائی ہوئی ہے،آخرایسا کیوں ہے؟

ظاہرسی بات ہے کہ ہم اپنے نبی کے طورطریقے کوپس پشت ڈال رکھے ہیں،کھانے،کمانے میں حلال وحرام میں کوئی تمیزنہیں ہے،اپنی اولادیں اپنی ہی گرفت سے باہرہیں،تو بھلابتائیں ہماری اولادیں کیسے نیک اورمتقی بن سکتی ہیں،ہمارے نیک ہونے سے کیا فائدہ جب تک ہمارے بچے نیک نہ ہوں،ہزاروں مثالیں آپ کے سامنے ہیں، کتنے اولیاءاللہ،کتنے بزرگ اورکتنے صوفی سنت تھے،کہاں گئیں ان کی اولادیں،کس دنیامیں آباد ہیں،جو ہیں بھی وہ کس کے پیروکار ہیں،ان کا طوروطریقہ کیا ہے؟ ذرا آپ اپنے دل سے پوچھے تو آپ کوخود جواب مل جائے گا،اس لیے ہمیں سوچنے کی ضروری ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے،جب ہمارا یہ حال ہوگا تو ہماری اولاد،ہمارے معاشرے کا کیا حال ہوگا،خودکوسنوارنے کی ضرورت ہے،خودکوسنت نبوی کے سانچے میں ڈھالنے کی ضرورت ہے،بھلائیوں اورحسنات سے مزین ہونے کی ضرورت ہے،اصلاح قلب ونیت کی ضرورت ہے اورسب سے بڑی ضرورت ذرا اپنی خبر لیجئے،بس آپ سے میری یہ چھوٹی سی درخواست ہے کہ خدا کے لیے کچھ لمحہ کے لیے ٹھنڈے دلوں ودماغ سے سوچئے اورخوداپنے بارے میں رائے قائم کیجئے۔

❁❁☆☆❁❁

گزارش

ماہنامہ نقوش اسلام ایک دینی،دعوتی،تاریخی، معلوماتی، ادبی اوراصلاحی رسالہ ہے،اسے خودبھی پڑھئے اوراپنے زیادہ سے زیادہ احباب کوبھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے،اس کی سال بھرکی ممبری فیس صرف ۱۰۰/روپیہ ہے۔

(ادارہ)

تکمیل ایمان

حضور سے محبت ایمان کامل کی علامت

روبینہ امان متعلمہ عربی پنجم جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات مظفرآباد

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے باپ، اس کے بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں "لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین"۔(رواہ البخاری)

اس حدیث شریف سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک ہم اپنے دل وجان سے بھی زیادہ حضور کے محبوب نہ ہوجائیں تب تک ہم مومن کامل ہو ہی نہیں سکتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت دل میں جاگزیں ہونا ہی ایمان کامل کی دلیل ہے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ اگر ہمارے دل ودماغ میں رسول کی محبت وعظمت کا سرمایہ ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اپنانے میں کوئی دشواری ورکاوٹ نہیں ہوگی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وجانثاری اور عقیدت کی ایسی ایسی مثالیں صحابہ کرام نے پیش کیں ہیں کہ آج تک ان جیسی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ہر صاحب نظر کے سامنے ہوگا کہ زندگی کے آخری لمحے میں ایک نوجوان ان کی عیادت کے لیے آیا واپس جانے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ برخوردار تمہاری چادر ٹخنوں سے نیچی ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے، مزید برآں آپکے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اپنانے کا اس قدر شوق تھا کہ جب حج پر تشریف لیجاتے تو اس جگہ پر پڑاؤ ڈالتے جس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑاؤ ڈالتے تھے، جس درخت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے تھے اسی درخت کے نیچے عبداللہ بن عمر آرام کرتے اور جہاں آپ فطری حاجت وضرورت کے لیے اترے تھے تو وہاں آپ خواہ تقاضہ ہو یا نہ ہو تب بھی اترتے۔

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' میں صحابہ کرام کی اطاعت وتابعداری کی ایسے ایسے بے مثال نمونے بیان کردیئے ہیں کہ جس کو انسان اپنا کر اپنی زندگی کو کامیاب بنا سکتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ہم حضور کی اتباع اور تابعداری میں ہمہ وقت مصروف رہیں تبھی ہم کامیابی کی منزلیں طے کرسکتے ہیں، اطاعت وتابعداری محبت کا لازمی نتیجہ ہے جب صحابہ کرام محبت کی دولت سے مالا مال ہوئے تو انہوں نے اپنی ساری طاقت آپ کی اطاعت وفرمانبرداری میں صرف کردی۔

اس کی بہترین مثال حضرت سعد بن معاذ کا وہ قول ہے جو انہوں نے اپنی اور جماعت انصار کی جانب سے بدر سے قبل کہا تھا کہ میں انصار کی طرف سے کھلے دل کے ساتھ کہتا ہوں اور ان کی جانب سے جواب بھی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں چاہیں مقیم رہیں اور ہمارے مال واسباب میں سے جو چاہیں لے لیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو لیں گے وہ زیادہ محبوب ہوگا اس سے جو آپ چھوڑ دیں گے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں گے اس کی دل وجان سے تابعداری کریں گے۔

جس وقت رب کائنات نے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابہ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا ''انت ابی وامی'' میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے بھی ہمراہ لے چلئے، غار ثور تک پہنچ گئے، اژدھا ڈستا رہا؛ لیکن حضور کی محبت میں یہ سب برداشت کرتے رہے، اپنا سب مال اللہ اور اس کے رسول کی رضا میں صدقہ کردیا، خود فقیرانہ زندگی اپنایا، یہ تھی حضور سے سچی محبت کی علامت، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابہ کرام ایسے ان گنت نمونے امت مسلمہ کے سامنے پیش کرکے دنیا سے رخصت فرماگئے کہ اگر انہی نمونوں کو مسلمان اپنا آئیڈیل بنالیں تو اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونا یقینی طور پر سہل ہوسکتا ہے۔

اگر مسلمان واقعی سچا عاشق رسول ہونے اور ان پر اپنی جان قربان کردینے کا دعویدار ہے تو سب سے پہلا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اپنے گزرے ہوئے ایام کا بخوبی جائزہ لیں اور ان کی یاددہانی کریں کہ ہم نے ان دنوں میں کتنا ان کے قول وعمل اور طور وطریق کو اپنایا اور اس معشوق ومحبوب کی کتنی پاسداری کی، جس سے ان کی روح اقدس کو خوشی حاصل ہوئی ہو، اگر ہم نے کما حقہ عقیدت ومحبت کا ثبوت پیش کرنے میں کوتاہی کی ہے تو جان لیجئے یہ جلسہ جلوس اور چراغاں کرلینے اور صرف زبانی مدح سرائی کرنے سے ان کی روح اقدس کو خوشی حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ ان کی روح کو دکھ اور تکلیف ہوتی ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنا احتساب کریں کہ ماضی میں ہم رسول کی سنتوں کو اپنانے اور ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے سے ہمیں کس قدر کامیابی ملی تھی؛ لیکن آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم راستہ کو جاننے کے باوجود غلط راستہ پر چل رہے ہیں جس کی وجہ سے ہم ذلت وپستی کے شکار ہیں، اللہ تبارک وتعالی سے میں دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالی مجھے اور تمام امت مسلمہ کو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرنے والا بنائے۔ آمین

سچائی کی ہدایت

ماسٹر ظاہر حسن استاذ مرکز احیاء الفکر الاسلامی

اللہ تعالی نے پوری دنیا کو محبت کی بنا پر پیدا کیا اور لوگوں سے یہ مطالبہ بھی کیا ہے کہ اپنی زندگی کی عمارت حق کی بنیاد پر تعمیر کریں اور سچائی کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنائیں اور سچی بات کو اپنے قول وعمل میں جگہ دیں، اللہ تعالی نے قرآن میں ارشاد فرمایا ''اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو اور سچ بولو (جس کا نتیجہ یہ ہوگا) کہ تمہارے اعمال درست ہوں گے اور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہی کامیاب ہوگا۔

اسلام میں سچائی کی اتنی اہمیت ہے کہ ہر مسلمان کو ہمیشہ سچ بولنے کی ہدایت کے علاوہ اس کی بھی تاکید کی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ سچوں کے ساتھ اور سچوں کی صحبت میں رہے، اللہ تعالی اپنے نیک بندوں کو تاکید فرماتا ہے ''اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو! اور سچوں کے ساتھ رہو'' ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچائی اختیار کرو چاہئے تمہیں اس میں اپنی بربادی ہی نظر کیوں نہ آئے؛ کیونکہ اصل نجات اور زندگی سچائی میں ہے اور جھوٹ سے نفرت کرو، چاہے اس میں نجات اور کامیابی نظر آئے کیونکہ جھوٹ کا انجام بربادی اور ناامیدی ہے، ایک مسلمان کا اخلاق مظبوط اور سچا ہونا چاہئے اور سچائی سے ہی تعلق رکھنا چاہئے اور ہر معاملہ کو اسی عینک سے دیکھنا چاہئے اور ہر معاملہ میں اسی کو اپنے سامنے رکھنا ہے، اسی طرح اسلام میں معاشرے کی تعمیر اسی بنیاد پر ہوتی ہے، کہ جنون وجوش کی جنگ کی جائے اور بے بنیادی باتوں کو اٹھا کر پھینک دیا جائے اور جھوٹ کو کوئی راہ نہ دی جائے اور سچائی کو عمل میں لایا جائے اللہ کے رسول نے فرمایا بدگمانی سے بچو! اس لیے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، ایک موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو یہ چاہے کہ اللہ رسول مجھ سے خوش ہوجائیں اور مجھ سے محبت کریں تو اس کو لازم ہے جو بات بولے تو سچ بولے، ایک روایت میں اللہ کے رسول نے فرمایا ''سچ بولنا حق بات کہنا مومن کی علامت ہے'' اور اس کے بالمقابل ایک جگہ یہ فرمایا ''کہ جھوٹ بولنا منافق کی علامیت ہے''۔

//////☆☆☆☆☆//////

قیام لیل

نماز تہجد کی فضیلت

مولانا محمد عمر صاحب قاسمی مجاہد پوری

صلوۃ تہجد:

نصف شب کے بعد سو کے اٹھ کر جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے تہجد کہتے ہیں اس کی کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً آٹھ رکعت پڑھا کرتے تھے۔

تہجد کی نماز پڑھنے کے لیے سونا شرط نہیں ہے اگر کوئی شخص ساری رات جاگتا رہے تو وہ بھی تہجد پڑھ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"اقم الصلوة لدلوك الشمس الى غسق الليل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر كان مشهودا، ومن الليل فتهجد به نافلة لك عسى ان يبعثك ربك مقاماً محموداً"۔(سورۃ بنی اسرائیل پارہ ۱۵/رکوع ۹)

آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے ہونے تک نمازیں ادا کیا کیجئے اور صبح کی نماز بھی، بے شک صبح کی نماز حاضر ہونے کا وقت ہے اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی، سو اس میں تہجد پڑھا کیجئے جو کہ آپ کے لیے زائد چیز ہے، امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

یعنی آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے ہونے تک نمازیں ادا کیا کیجئے اس میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء چار نمازیں آ گئیں جیسا کہ حدیث میں اس اجمال کی تفصیل ہوگئی، اور صبح کی نماز بھی ادا کیا کیجئے، بے شک صبح کی نماز (فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے (جیسا کہ حدیثوں میں ہے کہ عصر اور فجر کے وقت ملائکہ کی جو انسان کی حفاظت یا کتابت کے لیے مقرر ہیں، بدلی ہوتی ہے اور چونکہ صبح کا وقت نیند سے اٹھنے کا تھا، اس لیے اس کا حکم بھی الگ کیا اور ایک خاص بزرگی بھی بیان کی) اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی نماز ادا کیجئے، سو اس میں تہجد پڑھا کیجئے جو کہ آپ کے لیے (پنجگانہ نمازوں کے علاوہ) زائد چیز ہے، خواہ فرض زائد ہو یا نفل ہو کہ وہ زائد ہی ہوتا ہے دونوں قول ہیں، آگے بشارت ہے کہ امید (یعنی وعدہ) ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں (یہ مقام شفاعت کبریٰ ہے) جگہ دے گا۔

فائدہ:

تہجد پہلے سب پر فرض تھا، پھر امت سے فرضیت منسوخ ہوگئی؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ آپ پر فرض رہا تھا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آپ پر بھی فرض نہ رہا تھا۔(بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: تتجافى جنوبهم عن المضاجع يدعون ربهم خوفاً وطمعاً ومما رزقنهم ينفقون"۔(سورة سجده پاره ۲۱/رکوع ۱۵)

جدا رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے ہیں، (ترجمہ حضرت شیخ الہند) یعنی میٹھی نیند اور نرم بستروں کو چھوڑ کر اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں، مراد تہجد کی نماز ہے، جیسا کہ حدیث صحیح میں مذکور ہے۔

تہجد پڑھنے والوں کے لیے انعام خداوندی:

"فلاتعلم نفس مااخفى لهم من قرة اعين جزاء بما كانوا

یعملون "۔(سورۂ سجدہ پارہ ۲۱/رکوع ۱۵)

سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھری ہے، ان کے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک، بدلہ اس کا جو کرتے تھے (ترجمہ شیخ الہند) یعنی جس طرح راتوں کی تاریکی میں لوگوں سے چھپ کر انھوں نے بے ریا عبادت کی اس کے بدلے میں اللہ تعالی نے جو نعمتیں چھپا رکھی ہیں ان کی پوری کیفیت کسی کو معلوم نہیں جس وقت دیکھیں گے آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیگی، حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے جنت میں وہ چیز چھپا رکھی ہے جو نہ آنکھوں نے دیکھی، نہ کانوں نے سنی، نہ کسی بشر کے دل میں گزری۔

تہجدگزاروں کی تعریف:

"والذین یبیتون لربھم سجداً و قیاماً"۔(سورہ فرقان)

اور جو لوگ رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدہ میں اور کھڑے۔(ترجمہ حضرت شیخ الہند)

یعنی رات کو جب غافل بندے نیند و آرام کے مزے لوٹتے ہیں یہ خدا کے آگے کھڑے اور سجدہ میں پڑے ہوئے گزارتے ہیں، سردی کے ایام میں سخت سردی ہے، ٹھنڈی ہواؤں نے پورے ماحول کو ٹھنڈا بنا رکھا ہے، مگر اللہ کا بندہ سردی میں اٹھتا ہے، ٹھنڈے پانی سے وضو کرتا ہے، ٹھنڈے مکان میں تہجد کے لیے مصلیٰ پر کھڑا ہو جاتا ہے۔

تہجدگزار کو رحمت خداوندی کا آغوش میں لینا:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"ان ناشئة اللیل ھی اشد وطأً و اقوم قیلاً"۔(سورہ مزمل پارہ۲۹ رکوع۱۳)

بے شک رات کے اٹھنے میں دل و زبان کا خوب میل ہوتا ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے (ترجمہ شیخ الہند) یعنی رات کو اٹھنا کچھ آسان کام نہیں بڑی بھاری ریاضت اور نفس کشی ہے جس سے نفس روندا جاتا ہے اور نیند آرام وغیرہ خواہشات پامال کی جاتی ہیں، نیز اس وقت دعا اور ذکر سیدھا دل سے ادا ہوتا ہے اور زبان و دل موافق ہوتے ہیں جو بات زبان سے نکلتی ہے ذہن میں خوب جمتی چلی جاتی ہے کیونکہ ہر قسم کے شور و غل اور چیخ و پکار سے یکسو ہونے اور خداوند قدوس کے سمائے دنیا پر نزول فرمانے سے قلب کو ایک عجیب قسم کے سکون و قرار اور لذت و اشتیاق کی کیفیت میسر ہوتی ہے اور رحمت خداوندی تہجد گزار کو آغوش میں لے لیتی ہے، اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، فریاد سنی جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا مالک اللہ تبارک وتعالی ہر رات کو جس وقت آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے، سمائے دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے، کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے مانگے میں اس کو عطا کروں، کون ہے جو مجھ سے مغفرت اور بخشش چاہے، میں اس کو بخش دوں۔(بخاری شریف)

اللہ تبارک وتعالی کے سمائے دنیا پر نزول فرمانے سے مراد اللہ تعالی کی رحمتوں کا متوجہ ہونا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی تہجد کے وقت خصوصی طور پر بندوں کی طرف توجہ فرماتے ہیں اور اپنی رحمت و مغفرت کے خزانے عنایت فرماتے ہیں۔

تہجدگزاروں کی عظمت کا سبب:

اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں"کانوا قلیلاً من اللیل مایھجعون و بالاسحارھم یستغفرون"(سورۃ ذاریات پارہ ۲۶/ رکوع ۱۸)

وہ رات کو تھوڑا سوتے اور صبح کے وقتوں میں معافی مانگتے۔(ترجمہ حضرت شیخ الہند)

یعنی رات کا اکثر حصہ عبادت الٰہی میں گزارتے اور سحر کے وقت جب رات ختم ہونے کو آتی اللہ سے اپنی تقصیرات کی معافی مانگتے کہ الٰہی حق عبودیت ادا نہ ہو سکا جو کوتاہی ہوئی ہے اپنی رحمت سے معاف فرما دیجئے، بندہ اپنے خالق کے سامنے جب رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہے اللہ تعالی کو اس کی یہ ادا بہت پسند آتی ہے، خدا کے سامنے بندہ کا رونا تو مقبول ہے ہی مگر یہی رونا اگر سحر کے وقت ہوگا، تہجد کے وقت ہوگا، سبحان اللہ! یہ رونا بہت قیمتی بن جائے گا، اس رونے کا

ایک ایک آنسو لاکھوں پر بھاری ہوجائے گا۔

فرض کے بعد افضل نماز :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فرض نماز کے بعد سب سے افضل درمیانی رات کی نماز ہے یعنی تہجد کی نماز۔ (مسلم شریف)

صالحین کا طریقہ اورشعار:

حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تہجد ضرور پڑھا کرو! کیونکہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ اور شعار رہا ہے، اور قرب الٰہی کا خاص وسیلہ ہے اور وہ گناہوں کے برے اثرات کو مٹانے والی اور معاصی سے روکنے والی چیز ہے۔ (ترمذی شریف جلد۲ رصفحہ۱۹۵)

قرب خداوندی :

حضرت عمرو بن عبد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بندے سے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری درمیانی حصہ میں ہوتا ہے، پس اگر تم سے ہوسکے تو تم ان بندوں میں سے ہوجاؤ جو اس مبارک وقت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں، تو تم ان میں سے ہوجاؤ۔ (ترمذی شریف جلد۲ رصفحہ۱۹۸)

معلوم ہوا کہ جب کوئی بندہ تہجد کی نماز کے لیے اٹھتا ہے اور تہجد کی نماز ادا کرتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کا خصوصی قرب حاصل ہوجاتا ہے۔

رحمت خداوندی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت ہو اس بندے پر جو رات کو اٹھا اور اس نے نماز تہجد پڑھی اور اپنی بیوی کو بھی جگایا اور اس نے بھی نماز پڑھی اور اگر (نیند کے غلبہ کی وجہ سے) وہ نہیں اٹھی، تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اس کو جگایا اور اسی طرح اللہ کی رحمت ہو اس کی بندی پر جو رات کو نماز تہجد کے لیے اٹھی اور اس نے نماز ادا کی اور اپنے شوہر کو بھی جگایا پھر اس نے بھی اٹھ کر نماز پڑھی اور اگر وہ نہ اٹھا تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اٹھایا۔ (ابوداؤد شریف جلد جلد۱ رصفحہ ۱۸۵)

یہ چھوٹی چھوٹی رکعتیں مغفرت کا سبب بن گئیں :

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن جعفر خلدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو (جو بڑے اولیا کرام میں سے ہیں) خواب میں دیکھا، تو عرض کیا حضور حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ فرمایا تو جنید بغدادیؒ نے کہا:

"طاحت تلك الاشارات، وغابت تلك العبارات، وفنيت تلك العلوم ونفدت تلك رسوم ومانفعنا الا ركعت كنا نركعها في الاسحار" وہ اشارے ختم ہوگئے، وہ عبارتیں غائب ہوگئیں، وہ علوم فنا ہوگئے، وہ نقوش مٹ گئے، ہمیں نفع پہنچایا تو ان چند رکعتوں نے جو ہم سحری کے وقت پڑھ لیا کرتے تھے، یعنی تہجد کی نماز۔ (الافاضات الیومیہ جلد نمبر ۷ رصفحہ ۲۸۶)

نماز تہجد کی خصوصیات:

نماز تہجد سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ کا طریقہ اور شعار ہے، نماز تہجد اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت اور قرب حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، نماز تہجد اللہ تعالیٰ کی نوازشات، عنایات، عطا حاصل کرنے کا بہترین نسخہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم تمام ایمان والوں کو نماز تہجد پڑھنے کی توفیق فرمائے۔ (آمین)

iles\A027.TIF not found.

شکوہ نامہ

دیدۂ ترسے

حضرت مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

کیا شکوہ کسی نے جاکے یوں مردِ قلندر سے
عطا ہو غیر کو عزت جو اپنا ہے وہی ترسے

جس امت نے خدا سے خیرامت کا لقب پایا
اٹھارحمت کا سایہ کیوں اسی امت کے سرپرسے

وہ جن کو مل چکا تھا "انتـــم الاعـــلـــون" کا مژدہ
نگاہ غیر میں کیوں ہیں ذلیل وخواروبدترسے

یہ کیوں بکھرے پڑے ہیں جابجا تسبیح کے دانے
یہ کیوں توڑے گئے ہیں گوہر نایاب پتھر سے

ہما کے لشکروں پرزاغ کی کیوں حکمرانی ہے
یہ کیسے کھاگیا ہے مات شیرنیستان خرسے

یہ کتنا روح فرساانقلاب شرق اوسط ہے
عرب کے سورما پسپا ہوئے صیہونی لشکر سے

گیا غزہ بھی شرم الشیخ بھی صحرائے سینا بھی
الٰہی خیر ہو پالاپڑا خوں خوار اجگر سے

سقوط قدس کا جس دم تصور مجھ کو آتا ہے
رواں بے ساختہ ہوتے ہیں آنسو دیدۂ ترسے

کلیجہ شق ہے میرا آہ صیہونی مظالم سے
غموں سے چور ہو کر لگ گیاہوں اپنے بستر سے

خدا ہو غضب نازل مظالم ڈھانے والوں پر
قیامت ان پر ٹوٹے بجلیاں تڑپیں لہو برسے

تڑپتا رات دن ہوں مرغ بسمل کی طرح لیکن
نہیں ملتا ہے مجھ زخم کا مرہم کسی درسے

بتائیں آپ ہی کوئی دوا اے مرد حق مجھ کو
ملی ہے آپ کو دینی بصیرت رب اکبر سے

قلندر نے یہ فرمایا تم اس کے پاس آئے ہو
کہ جس کے دل میں خود ناسور ہے اس حال ابتر سے

دکھاؤں کیا تمہیں آشوب گاہ حشر شام اپنی
کہ میری صبح بھی کچھ کم نہیں ہے صبح محشرسے

گری ہیں بجلیاں اتنی کہ دل کو راکھ کرڈالا
قیامت ایک کیا گزری ہیں لاکھوں میرے سرپرسے

مگر ہوتا ہے کیا اب رونے دھونے شکوہ کرنے سے
نہ حاصل ہو سبق جو اس قیامت خیز منظر سے

ذرا اتنا تو سوچو یہ مصیبت کیونکر آئی ہے
خدا کودشمنی ہے کیا ہمارے ہی مقدرسے

ملی تھی جن کو استغنائے بوذرفقرسلمانی
وہ جاکر مانگتے ہیں بھیک کسریٰ اور قیصر سے

دیا زہرہلاہل جس نے ان سادہ مزاجوں کو
دوا لیتے ہیں جاجا کر اسی عطار کے گھر سے

متاع دین ودانش لوٹ لی صیاد نے جس کی
خدا محفوظ رکھے رہروں کو ایسے رہبرسے

ہے اب تک مغربی بازیگروں کی فتنہ انگیزی
کہیں برپا نہ ہو پھر حشران کے فتنہ وشرسے

ضرورت ہے صلاح الدین ایوبی سے قائد کی
صلیبی طاقتوں کو توڑدے جو ایک ٹھوکر سے

جوہو خوددار وپاکیزہ نگاہ ودل خدا والا
جو ٹکرا جائے بے خوف وخطر باطل کے لشکر سے

ضرورت ہے محمدفاتح والپ ارسلاں کی اب
اٹھائیں جو نہ ہاتھ اپنے کبھی تیغ وتر پرسے

سلام ان پرجنھوں نے قدس پرجانیں نچھاور کیں
شہادت کے لیے نکلے کفن کو باندھ کر سرسے

انہیں جیسے جوانوں کی اب امت کو ضرورت ہے
نہائیں جو خدا کے راستے میں آب خنجرسے

دلوں میں جن کے روشن ہوں یقین وعزم کی شمعیں
محبت ہو خدا سے عشق ہو اس کے پیمبرسے

چھٹے گی کفرکی ظلمت انھیں کے اک اشارہ سے
اندھیرا جیسے چھٹتا ہے طلوع ماہ واخترسے نام

نوید نصرت حق لے کے اتریں گے ملائک پھر
فضا گونجے گی جب بھی نعرۂ اللہ اکبر سے

تبصرے

نئی کتابوں پر تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

کتاب: اسلاف کی طالب علمانہ زندگی

تالیف: مولانا حفظ الرحمٰن پالن پوری

صفحات: ۲۳۹ / قیمت: درج نہیں

ناشر: دارالعلوم امدادیہ گڑھی، یمنا نگر (ہریانہ)

زیر تبصرہ کتاب ''اسلاف کی طالب علمانہ زندگی اور اصول وآداب کی مثالی رعایت'' حضرت مولانا حفظ الرحمٰن قاسمی کاکوسی کی ایک علمی، ادبی، اصلاحی، فکری اور طلبہ کی زندگی میں مہمیز لگانیوالی ایک عظیم شاہکار ہے، تعلیم وتربیت میں جلا بخشنے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوسکتی ہے، حضرت مولانا نے ان تمام چیزوں کو اس کتاب میں سمونے کی بھرپور کوشش کی ہے، کتابت وطباعت عمدہ اور معیاری ہے، ٹائٹل خوبصورت اور دلکش ہے، ظاہری اعتبار سے حسین ومزین، معلومات کے اعتبار سے علمی خزانہ اور روحانی وفکری اعتبار سے ایک عظیم اصلاحی کشکول ہے۔

کتاب کے پیش لفظ میں خادم قرآن حضرت مولانا غلام محمد وستانوی تحریر فرماتے ہیں کہ ''مولانا کی یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک انسائیکلو پیڈیا کا درجہ رکھتی ہے، طلبہ واساتذہ دونوں کو یکساں استفادہ کرنا چاہئے'' حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی کتاب کی تقریظ میں رقمطراز ہیں ''اس (کتاب) کی تفصیلی فہرست کو بغور پڑھا، جو ماشاء اللہ طلبہ وعلماء کے لیے نہایت مفید، بصیرت افروز و نصیحت آموز معلوم ہوئی، اللہ تعالی اپنے فضل سے ہم سب کو اس سے استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے، یہ حقیر اس کتاب کو دیکھنے کے بعد تمام طلبہ کرام کو ترغیب دیتا ہے کہ اس کا ضرور مطالعہ کریں، بلکہ اس کو حرز جان بنائیں تاکہ علم کا صحیح نفع حاصل ہو اور اللہ تعالی کی رضاء وخوشنودی سے سرفرازی نصیب ہو'' دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کتاب کی تقریظ میں رقمطراز ہیں ''کہ میں نے اس (کتاب) پر ایک طائرانہ نظر ڈالی تو مجھے کتاب بہت ہی مفید نظر آئی، اگر مدارس اسلامیہ کے طلبہ اس کو اپنا رہنما بنائیں نیز مذکورہ آداب کا لحاظ کرکے علم حاصل کریں تو ان کے علم میں چار چاند لگ جائیں گے، علم میں برکت بھی ہوگی اور ان کا فیض عام وتام ہوگا''۔

ان اکابر کی تحریر کی روشنی میں کتاب کی اہمیت وافادیت اور وقعت کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں رہا، مگر کتاب کی تصنیف کا پس منظر خود مصنف علام کی زبانی سنئے ''بہت دنوں سے میری خواہش تھی کہ ہمارے اکابر واسلاف کی طالب علمانہ زندگی کی روشنی میں طالب علمی کے کچھ اصول وآداب اور کچھ وہ بنیادی امور جو ان کی زندگی میں نمایاں تھے مختصر طور پر بیان کروں، جو طلبہ کے لیے رہنما ثابت ہوں اور مدارس دینیہ میں علوم نبوت حاصل کرنے والے پروانے ان اصول وآداب پر عمل پیرا ہوکر اپنی طالب علمی کی زندگی کو کامیاب بناسکیں اور اپنی مخفی صلاحیتوں اور قابلیتوں کو اجاگر کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا فریضہ باحسن وجوہ انجام دے سکیں'' اس تحریر کے تناظر میں مصنف محترم کے جذبہ دروں اور اکابر سے تعلق اور طلبہ کی زندگی کو مثالی زندگی بنانے کے لیے ان کی فکر وتڑپ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، حضرت مولانا اپنے اس کام پر طلبہ وعلماء کرام کی طرف سے مبارکبادی اور شکریہ کے مستحق ہیں، قارئین کرام اگر اس کی اجمالی فہرست کو دیکھیں گے تو یقینی طور پر انکی تشنگی بڑھ جائے گی، اس لیے اجمالی فہرست کی ایک جھلک دیکھتے چلئے، علم کی حقیقت اور اس کی علامات، قرون اولی میں علمی شوق وولولہ اور تحصیل علم کا طریق کار، چوتھی صدی کے وسط تک تعلیم وتعلم کا طرز وطریق، اسلام میں موجودہ طرز کے مدارس کی ابتداء۔

تعلیم وتعلم اور اس کے ظاہری آداب:

پہلا ادب: طالب علم اور علم کی سچی طلب اور شوق۔

دوسرا ادب: طالب علم اور وقت کی قدر واہمیت۔

تیسرا ادب: طالب علم اور علمی محنت اور جدوجہد۔

چوتھا ادب: طالب علم اور اسباق کی پابندی۔

پانچواں ادب: طالب علم اور استاذ کی تقریر توجہ اور دلجمعی سے سننا۔

چھٹا ادب: طالب علم اور تکرار وعلمی مذاکرہ۔

ساتواں ادب: طالب علم اور مطالعہ وکتب بینی۔

آٹھواں ادب: طالب علم اور کامل یکسوئی وعلمی انہماک۔

نواں اداب: طالب علم اور استاذ کی تعظیم اور ادب واحترام۔

دسواں ادب: طالب علم اور استاذ کی خدمت اور ان کے ساتھ لگاؤ۔

گیارہواں ادب: طالب علم اور دینی کتب اور آلات علم کا ادب واحترام۔
بارہواں ادب: طالب علم اور تعلیمی امور میں استاذ سے صلاح ومشورہ۔
تیرہواں ادب: طالب علم اور علم کی خاطر مشقتیں برداشت کرنا۔
تعلیم وتعلم اور اس کے باطنی آداب:
پہلا ادب: طالب علم اور حسن نیت۔
دوسرا ادب: طالب علم اور تقوی وطہارت۔
تیسرا ادب: طالب علم اور علم وعمل میں مطابقت۔
چوتھا ادب: طالب علم اور تواضع وفروتنی۔
پانچواں ادب: طالب علم اور تزکیہ باطن۔
چھٹا ادب: طالب علم اور اتباع سنت ۔
ساتواں ادب: طالب علم اور استغنا وغنائے قلب۔
آٹھواں ادب: طالب علم اور دعاء ومناجات۔

کتاب کے ان مشمولات سے مصنف کو سمجھنا بہت آسان ہوگیا ہے، اللہ تعالی نے ان کے قلب کے اندر امت کی اصلاح کی تڑپ، فکر ولگن رکھی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ امت کا خاص طبقہ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلے اور اپنا تابناک مستقبل بنائے، حضرت مولانا بہت سی خصوصیات کے حامل انسان ہیں، ان میں تصنیف وتالیف کے شوق وجذبہ کے ساتھ درس وتدریس کا ملکہ اور خطابت وتقریر کی صلاحیت بھی بھرپور ہے، مزید دینی دعوت اور تعلیم وتعلم کو عام کرنے کا جذبہ بھی بدرجہا اتم موجود ہے، اور اس کی مثال ان کا ضرورت کی جگہوں پر دینی مدارس ومکاتب کا قائم کرنا ہے، جو اس وقت امت کی بہت بڑی ضرورت ہے، اللہ تعالی حضرت مولانا سے خوب سے خوب دینی دعوت وتبلیغ اور تعلیم وتربیت کا کام لے اور ان کے حسنات میں دن بدن اضافہ ہو، طلبہ کے لیے چونکہ یہ کتاب بہت مہتم بالشان ہے، اس لیے ہر طالب علم کے لیے اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے، امید ہے کہ طلبہ وعلماء کرام اور دیگر قارئین اس سے خوب استفادہ کریں گے اور اپنی زندگی کو روشن زندگی بنانے کا ہنر سیکھیں گے۔

نام کتاب: محبت رسول ﷺ عقل ونقل کی روشنی میں
تالیف: مولانا حفظ الرحمٰن پالن پوری
صفحات: ۸۶/ قیمت: درج نہیں
ناشر: دار العلوم امدادیہ گڑھی، یمنا نگر (ہریانہ)

زیر تبصرہ کتاب حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب قاسمی کاکوسی کی عظیم الشان موضوع پر ایک عظیم کتاب ہے، جو ان کے گہربار قلم کی پہلی کاوش ہے کیونکہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کا جز ہی نہیں بلکہ اسلام کی تکمیل کا سرٹیفکٹ ہے، جس کو جس قدر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوگی اس کو اسی درجے کا ایمان نصیب ہو گا، اس لیے مصنف کا اس موضوع کو اختیار کرنا خود ان کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت پر دال ہے، محبت ایک ایسا عنوان اور ایک ایسی ادا ہے جس کو اس کا لطف یا اس کی معرفت حاصل ہو جائے تو اس کو محبوب تک پہنچنے کے لیے دنیا کی کوئی چیز مانع نہیں ہوسکتی اور پھر اس کے لیے محبوب کی ہر ادا اس کی غذا اور راحت کا سامان بن جاتی ہے اور چونکہ دنیا میں ایمان سے زیادہ قیمتی اور اہم چیز کوئی نہیں، اس لیے اس کے حصول کا معیار دنیا ومافیہا کی چیزوں کو چھوڑ کر محبت رسول ہی ہوسکتا ہے، اس لیے اس موضوع پر یہ کتاب اپنی ایک نرالی شان رکھتی ہے۔

کتاب کی تقریظ میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب ندوی استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ لکھتے ہیں کہ ''یہ (کتاب) عوام وخواص کے لیے ہر طرح مفید ہی ہے کہ محبت ہی وہ شیر ہے جس کی حلاوت امتثال امر خداوندی اور اتباع سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آسان سے بڑھ کر محبوب ومرغوب بنا دیتی ہے اور یہ انسان کی دارین کی سعادت کا محفوظ ومامون اور بہترین ذریعہ ہے'' حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں کہ ''(اس کتاب میں مولانا نے) بحمدہ تعالی محبت رسول اور اس کے اسباب پر سیر حاصل گفتگو کی ہے جو خواص وعوام کے لیے انشاء اللہ یکساں مفید ثابت ہوگی'' کتاب کے سلسلہ میں خود مصنف محترم رقمطراز ہیں: کہ ''مدت مدیدہ سے ارادہ ہو رہا تھا کہ اس موضوع پر کوئی جامع کتاب سامنے آئے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی اہمیت اور ضرورت اس کے فوائد ونتائج اس کے اسباب وتقاضے اور اس کی انواع واقسام وغیرہ وغیرہ ضروری عناوین ہوں، نیز کچھ واقعات صحابہ کے مثالی نمونے بھی زینت اوراق ہوں، جن سے روح میں فرحت، عمل میں عزم اور ایمان میں تازگی پیدا ہو''۔

مصنف علام نے اس کتاب میں محبت کی حقیقت اس کے اسباب پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت واکملیت، آپ کا حسن وجمال، آپ کے کمالات، آپ کے احسانات، محبت کے اقسام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کونسی محبت ہونی چاہئے پھر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے ایمان افروز واقعات درج کئے ہیں، غرضیکہ یہ کتاب بہت مختصر مگر جامع ہے اور یہ ہر ایک مسلمان کی متاع عزیز ہے، جس کے حصول کے لیے ہر ایمان والے کو کوشش کرنی چاہئے، امید ہے کہ قارئین اس کتاب کو حاصل کر کے اپنے اندر محبت رسول کی چنگاری بھڑکائیں گے اور اپنے ایمان میں تازگی اور اکملیت پیدا کریں گے۔

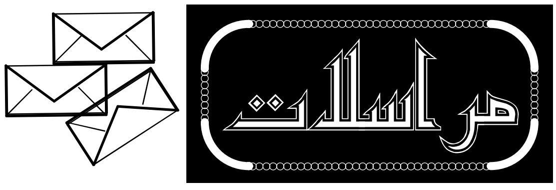

Markazu Ihyail Fikril Islami Muzffarabad.Saharanpur(u.p)

محترمی ومکرمی حضرت مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب

چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''نقوش اسلام'' سہارن پور-سلام مسنون

عرضِ ناگزیر ایں کہ چند روز قبل عزیز مکرم مولوی ذکی الرحمان قاسمی کے توسط سے نومبر کا شمارہ محبوب ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے مطالعہ کا موقع ملا، رسالہ ملتے ہی آپ کی ادارتی تحریر سے استفادہ شروع کر دیا، آپ کی عزیز بھتیجی عائشہ کی وفات کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا؛ لیکن مرضی مولی بر ہمہ اولی، دعا ہے کہ اللہ تعالی اس بچی کو ہم سب کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔آمین!

یوں تو اس رسالہ کے سارے محتویات قابل خواندگی ہوتے ہیں اور احقر نے ان کا مطالعہ بھی کیا؛ لیکن ماہ نومبر کے اس شمارے میں محترمہ صفیہ اقبال صاحبہ رکن: آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تحریر، بہ شکل تعاقب مسٹر خشونت سنگھ نے دل پر ایک عجیب اثر چھوڑا اور طبیعت بہت خوش ہوئی، محترمہ نے اپنی علمی لیاقت اور دانائی و عقلمندی کی وجہ سے بورڈ کی رکنیت تک حاصل کی؛ لیکن ہمارے قوم کی عام عورتوں اور لڑکیوں، جو انگریزی اور اردو کے چند الفاظ بولنا، پڑھنا اور لکھنا سیکھ کر غیروں کی ہاں میں ہاں ملاتی ہیں، سے بہت جدا معلوم ہوئیں، ماشاء اللہ بہت خوب تعاقب کیا ہے، ان کی یہ سنجیدہ تنقید بڑی ثمر آور ہوگی ان شاء اللہ، اس تحریر کے لیے میں محترمہ صفیہ اقبال صاحبہ کو دل کی گہرائی سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

محترم خشونت سنگھ جیسے سینئر اور معمر صحافی کے قلم سے کبھی پردہ، کبھی تعدد ازواج کبھی شراب اور پھر کبھی علامہ اقبال کا شعر

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہیں چنگیزی

کے خلاف تحریر کا اخبار اور جرائد ورسائل کی زینت بننا بالکل زیب نہیں دیتا؛ کیوں کہ انھوں نے اپنی اتنی لمبی عمر میں بالقصد تو نہیں بلکہ بلا ارادہ ہی سہی، ان اسلامی احکام کی علت اور زمانہ کے مشاہدات سے سمجھ لیا ہوگا کہ اسلام کے یہ احکام غلط نہیں ہیں؛ بلکہ فطرت کے موافق ہیں، علاوہ ازیں کہ عناد کی روش خشونت صاحب نے اختیار کر رکھی ہو تو اس کی اور بات ہے، اللہ تعالی ہم سب کو حق و باطل میں تمیز کرنے کی توفیق دے اور ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کو دن دونی رات چوگنی ترقیات سے نوازے۔آمین!

محمد خورشید داؤد قاسمی

استاذ شعبہ انگلش دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

عرض خدمت کہ www.bhatkallys.com کے تحت اخبار وافکار ڈاٹ کام www.akhbaroafkar.com کے عنوان سے اردو کی ایک جامع ویب سائٹ شروع کی گئی ہے ہماری کوشش ہے کہ اس میں ایسا مواد پیش کیا جائے جو عام طور پر اردو ویب سائٹوں اور صحافت میں دستیاب نہیں، فنی طور پر ویب سائٹ ڈاٹا بیس پر قائم ہے اور ہمارے علم میں ایسا اولین ویب سائٹ ہے جس میں نفیس نستعلیق خط ممکنہ حد تک اس کی خامیوں کو دور کر کے استعمال کیا گیا ہے، انشاء اللہ متنوع مضامین کی وافر مقدار میں اشاعت کے بعد اس کی ڈیزائننگ بھٹکلیس کے ہوم پیج کی طرح فنی طور پر مکمل کی جائے گی، اس سائٹ میں آپ کی دلچسپی کا پہلو یہ ہے کہ اس میں روزانہ پابندی سے برصغیر اور عالم اسلام اور دیگر اہم موضوعات سے متعلق اہم خبروں اور تبصروں کا ترجمہ عالمی اور عربی صحافت سے پیش کیا جا رہا ہے، ہمارے علم کی حد تک اس کی دوسری مثال موجود نہیں، آپ سے ہماری گزارش ہے کہ اپنے پرچے کے لیے اخبار وافکار ڈاٹ کام پر شائع ہوئے مواد سے استفادہ کریں اور ممکنہ حد تک حوالہ میں اس کا نام استعمال کریں، ساتھ ہی ساتھ اخبار وافکار ڈاٹ کام کے ساتھ اردو آڈیو ڈاٹ کام www.urduaudio.com اور بھٹکلیس ڈاٹ کام www.bhatkally.com پر تعارف وتبصرہ اپنے پرچے میں شائع کریں۔

ان سائٹوں کو فنی طور پر منفرد اور مفید بنانے کے لیے ہماری جو محنت صرف ہوئی ہے اس کے بعد آپ سے اس مطالبہ کا حق ہمیں حاصل ہو جاتا ہے۔شکریہ

عبد المتین منیری، ایڈیٹر اخبار وافکار ڈاٹ کام

مکرمی ومحترمی جناب ایڈیٹر صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہوں ''مرکز الامام ابی الحسن الندوی'' دار عرفات ایک علمی، تحقیقی اور اشاعتی ادارہ ہے جس میں علامہ سید عبدالحئی حسنیؒ لائبریری عرصہ سے قائم ہے، مرکز الامام ابی الحسن الندوی کے باحثین اور مدرسہ ضیاء العلوم کے اساتذہ وطلبہ اور دوسرے اصحاب ذوق حضرات فائدہ اٹھاتے ہیں، آپ کے قیمتی رسالہ ''نقوش اسلام'' سے استفادہ کا موقع ملا کرتا تھا لیکن ادھر دو تین مہینے سے نہیں مل رہا ہے، اگر آپ اس کو ادارہ کے نام دوبارہ جاری فرما دیں تو یہ ایک علمی تعاون ہوگا اور آپ کے رسالوں کی فائل تیار کرنے میں آسانی ہوگی، اور ہم بھی انشاء اللہ اپنے یہاں سے نکلنے والا ''خبرنامہ'' پابندی سے بھیجتے رہیں گے۔

سراج احمد ندوی

مکتبۃ العلامۃ عبدالحئی الحسنی، دار عرفات رائے بریلی یوپی

حالات حاضرہ

حافظ عبدالستار عزیزی

عالمی خبریں News World

ایک کروڑ ۷۰ ر لاکھ ریال سے تیار کردہ غلاف کعبہ

مکہ مکرمہ- ایک کروڑ ۷۰ ر لاکھ ریال سے تیار کردہ خانہ کعبہ کا نیا غلاف مکہ مکرمہ میں ایک سادہ سی تقریب میں خانہ کعبہ کے متولی شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ الشیبی کے حوالے کر دیا گیا، غلاف کعبہ کی لمبائی ۱۴ ر میٹر ہے اور غلاف کی چاروں طرف سے لمبائی ۴۷ ر میٹر ہے اور غلاف پر اسلامی خطاطی سے سورۃ الاخلاص اور ۶ ر قرآنی آیات الگ الگ مربع شکل میں لکھی گئی ہیں یہ تقریب جس میں حرمین شریفین انتظامیہ کے سربراہ شیخ صالح بن عبدالرحمٰن الحصین اور اعلی عہدیداروں نے بھی شرکت کی، اس موقع پر شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ الشیبی نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ جس نے ہمیں کعبۃ اللہ کی چابی کا امین بنایا ہے، یہ ہمیشہ سے شیبی خاندان کے پاس رہی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کے نتیجے میں آج تک چابی برسہابرس سے شیبی خاندان کے پاس ہے، نیا غلاف کعبہ وقوف عرفہ کے موقع پر تبدیل کیا جائے گا انشاءاللہ۔

مدینہ یونیورسٹی کے طلبہ کو سعودی وزیر داخلہ کا خطاب

جدہ- ۲۹ ر نومبر سعودی وزیر داخلہ پرنس نائف نے اسلام کی اعتدال پسند تعلیمات کو عام کرنے اور انتہا پسندی ختم کرنے پر زور دیتے ہوئے ان لوگوں پر سخت نکتہ چینی کی جو پوری امت کے مفاد پر گروہی مفادات کو ترجیح دیتے ہیں، مدینہ میں اسلامی یونیورسٹی کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے پرنس نائف نے کہا کہ روئے زمین پر امن، انصاف اور استحکام قائم کرنا مسلمانوں کا فرض ہے، سعودی یونیورسٹیوں کو دہشت گردی کے خلاف نمایاں کردار ادا کرنا چاہئے۔

مزید یہ کہ پرنس نائف نے اس موقع پر یونیورسٹی انٹرنیٹ ریڈیو چینل کا بھی افتتاح کیا، جس کا مقصد انحراف پسند سوچ اور نظریات کو ختم کرنا ہے، انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اسلام کا پیغام دانش مندانہ اور مطمئن طریقے سے عام کریں کیونکہ اسلام وہ طرز حیات ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہے۔

مسلمانوں نے برطانیہ کو ہر لحاظ سے ترقی دی

لندن- شہزادہ چارلس نے کہا کہ دنیا بھر سے آئے ہوئے مسلمانوں نے برطانیہ کو ہر لحاظ سے ترقی دی ہے اور مجھے برطانوی معاشرے کی متنوع ثقافتوں کو قبول کرنے کی خوبی پر فخر ہے، وہ گزشتہ روز میوزک ٹیلنٹ ایوارڈ کی تقریب سے خطاب کر رہے تھے، تقریب میں اردن کی شہزادی بادیہ بنت الحسین نے بھی شرکت کی، شہزادہ چارلس نے کہا کہ لیڈز میں مکہ مسجد کے امام کی تقریر سن کر انہیں بہت خوشی ہوئی ہے، جس میں انہوں نے برطانوی شہری اقلیتی کمیونٹیوں کو الگ تھلگ کرنے کے بجائے ان میں گھل ملنے کی بات کہی ہے۔

صدقہ جاریہ میں حصہ لیجئے!

مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے تحت چلنے والے ادارہ ''جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ'' میں چار درسگاہوں کی تعمیر کا کام چل رہا ہے، اہل خیر حضرات سے اپیل ہے کہ اس تعمیر میں دل کھول کر حصہ لیں، ایک یا چند درس گاہیں، یا کمرے اپنے اعزہ کے ایصال ثواب کے لیے یا اپنے لیے صدقہ جاریہ کے طور پر تعمیر کرائیں یا حتی المقدور جزوی تعاون، سریا، سمینٹ، اینٹ وغیرہ کے ذریعہ سے فرمائیں۔

وفیات

۲۰ ر نومبر ۲۰۰۸ء جمعرات کے روز حکیم شمس الاسلام کی والدہ محترمہ تقریباً ۹۰ ر سال کی عمر میں امروہہ میں انتقال فرما گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحومہ صوم وصلاۃ کی پابند اور ایک دیندار باحوصلہ خاتون تھیں ادارہ ''نقوش اسلام'' مرحومہ کے وارثین کے ساتھ غم میں برابر شریک ہے اور ان کو تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے، اور قارئین سے گزارش کرتا ہے کہ مرحومہ کے لیے دعائے فرمائیں اللہ تعالی اس کی مغفرت فرما کر بلند درجات نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

دعائے صحت یابی

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مفتاحی قاسمی مہتمم جامعہ اسلامیہ پپلی مزرعہ (ہریانہ) کو ۲۰ ر نومبر کو فالج کا مرض لاحق ہو گیا، اس وقت وہ مدرسہ احیاء العلوم صدیقہ پٹلو کر ضلع سہارنپور میں ایک مقامی ڈاکٹر کے زیر علاج مقیم ہیں، قارئین سے درخواست ہے کہ وہ حضرت مولانا کی صحت کے لیے دعا فرمائیں۔